# آئینہ رمضان



مؤلف

قاری محمدؐ عطاء اللہ

قاری ریڈیو پاکستان

خطیب حضرت شاہ محمد غوثؒ

ناظمِ اعلیٰ دار العلوم جامعہ قدوسیہ

چوک وزیر خاں، لاہور

ناشر

مکتبہ آئینۂ اسلام

# تقریظ

غزالیٔ زماں سید المحققین حضرت علامہ
سید احمد سعید صاحب کاظمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور

اس پر فتن دور میں دین اسلام کے فروغ و اشاعت کی ذمہ داری بہ احسن وجوہ پوری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو سادہ اور عام فہم زبان میں نوجوان طبقے تک پہنچایا جائے اور دین اسلام کی حقانیت کو منطقی انداز میں پیش کیا جائے کیونکہ تفکر و تدبر اور شعور کی ترق اور عروج کے اعتبار سے آج کا انسان صرف دلیل و برہان کی زبان میں بات کرتا اور سنتا ہے ۔

تاج القرآء قاری محمد عطا اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ ایک متین اور صالح نوجوان عالم دین نے اسلام کے ایک بنیادی رکن رمضان المبارک پر قلم اٹھایا اور اس ذمہ داری کو جس حسن و خوبی سے پورا کیا ہے ۔ وہ بلاشبہ قابل ستایش و لائق تحسین ہے ۔ رمضان المبارک ایسے اہم موضوع کو فاضل نوجوان نے بڑے اچھوتے اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے ۔ مجھے یقین واثق ہے کہ جو صاحب بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں گے وہ انداز بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت اور تبلیغ و اشاعت کی توفیق بخشے اور قارئین ان کی اس تالیف کی قدر و منزلت کو نگاہ سے دیکھیں ۔

**سید احمد سعید کاظمی غفرلہ**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از قلم

## قاری محمد عطاء اللہ

- قاری ریڈیو پاکستان
- خطیب حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ لاہور
- ناظم اعلیٰ دار العلوم جامعہ قدوسیہ، چوک وزیر خاں لاہور

## مکتبہ آئینہ اسلام

چوک وزیر خاں، کوچہ بوڑھے شاہ، اندرون دہلی دروازہ لاہور

باراوّل : ۲۴ر شعبان ۱۳۹۱ھ

۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۱ء

نام مصنّف : قاری محمد عطاء اللہ

ناشر : مکتبہ آئینہ اسلام

چوک وزیر خاں کوچہ بوٹے شاہ لاہور

مطبع : مکتبہ جدید پریس۔ لاہور

قیمت : ۴٫۵۰ روپے

# فہرست

# پیش لفظ

اسلام اتنا سہل اور سادہ دین ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس کی بنیادی تعلیمات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہو سکتا ہے یہ تعلیمات اتنی مؤثر اور پُرکشش ہیں کہ از خود ہی اپنی حقیقت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دیتی ہیں۔ مسلمان جب تک اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل پیرا رہے دنیا ان کے قدموں میں رہی۔ لیکن سقوطِ بغداد کے بعد جہاں مسلمانوں کے ذہنی سوتے خشک ہوئے، وہاں عملی دنیا بھی تعطّل و بحران کا شکار ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سقوطِ بغداد کے بعد مسلمانوں کو عملی اعتبار سے سنبھلنے کا موقع بہت کم نصیب ہوا۔ اور فکر و عمل کا جو بحران اس قومی تباہی کے ساتھ شروع ہوا تھا، اس نے آج تک مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

یورپ کی بیداری کے بعد اسلامی ممالک پر یورپین قوموں کے تسلّط کے ساتھ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف گھناؤنی سازشوں کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کو فکر و عمل کے اعتبار سے مفلوج کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے بے گانہ بنانے کے لئے یورپی قوموں نے

نہایت مہلک ہتھکنڈے استعمال کئے۔ اس کے لئے خاص طور پر مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور نظامِ تعلیم پر بڑے مہلک وار کئے گئے۔ یہاں تک کہ مسلمان جسمانی طور پر یورپی اقوام کے غلام تو تھے ہی، مگر ذہنی اور فکری طور پر بھی انہوں نے غیروں کی غلامی کی زنجیریں از خود پہن لیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے۔ فکری اعتبار سے وہ یورپ کے ان مصنوعی اور غیر فطری سانچوں میں ڈھل گئے جو ایک سازش کے تحت ان کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ لیکن ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے دین اپنی ثقافت اپنی تہذیب اور اپنی فکر سے تو بیگانہ ہوئے ہی تھے۔ مغربی فکر اور تہذیب نے بھی انہیں قبول نہیں کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد یہ امید بندھی تھی کہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت نئی نہج پر ہوگی اور آزادی کے وہ تقاضے پورے کئے جائیں گے جن کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ لیکن بہت جلد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ کہ رہنمایانِ قوم نے قوم کو ایک سراب دکھایا تھا وہ ان عقائد و نظریات کے معاملے میں خود ہی مخلص نہیں جنہیں حصولِ پاکستان کے لئے بنیادی نعرے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا جو سلسلہ انگریز نے دورِ غلامی میں ہمارے لئے وضع کیا تھا۔ وہ آج آزادی کے چوبیس سال بعد بھی ہماری گردنوں کا طوق اور پاؤں کی زنجیر بنا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ایک پوری نسل اپنی منزل

سے ناآشنا ژولیدہ فکری کا شکار، عمل سے بے خبر اور اسلامی تعلیمات سے
بالکل بے بہرہ ہے

"بہی جاتی ہے بے مقصود بحر زندگانی میں"

اہلِ قلم اور اہلِ علم حضرات نے بھی اس دَور میں اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ
محسوس نہیں کیا۔ اگر وہ اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے
کم از کم اتنا ہی کرتے کہ بنیادی اسلامی تعلیمات کو زمانے کے تقاضوں کے
مطابق منطقی انداز میں نوجوانوں کے سامنے پیش کیا جاتا تو شاید فکر و
عمل کی وہ بے راہ روی اور گمراہی جو اس وقت نظر آتی ہے بڑی حد تک کم
ہو جاتی۔ بس یہی ایک احساس ہے جس نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا اور اسی
احساس کو بنیاد بنا کر میں نے یہ مختصر سا کتابچہ عامۃ المسلمین اور خاص طور پر
پڑھے لکھے نوجوانوں کے لئے لکھنے کی جسارت کی ہے۔ انتہائی کوشش کی گئی
ہے کہ رمضان المبارک کا فلسفہ اور عقلی و فکری اعتبار سے اس کے فوائد
سادہ اور عام فہم زبان میں لیکن ادبی چاشنی کے ساتھ پیش کر دیئے جائیں۔
تاکہ نوجوان طبقہ اسے پڑھے تو اسلامی تعلیمات کی حقیقت و صداقت منطقی انداز
میں اس پر ثابت ہو سکے۔ شاید اللہ کرے اسی طرح کچھ نوجوان دین اسلام کی
طرف مائل ہوں۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو اسے اپنی دینی اور اخروی
زندگی کے لئے باعث سعادت و نجات سمجھوں گا۔ اور یہی میری کامیابی ہو گی
اگر اس کتابچہ میں کوئی اچھی بات احاطۂ تحریر میں آ گئی ہے تو وہ محض
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت کا نتیجہ

ہے اور اگر اس میں کچھ خامیاں اور کمزوریاں آپ کو نظر آئیں تو انہیں میری کم مائیگی اور بے بساطی پر محمول کیا جائے اور ربّ کردگار کی بارگاہ میں دینِ متین کی خدمت کی توفیقِ مزید کے لیے دعا کریں۔

قاری محمد عطاء اللہ

# تصوّرِ عبادت

حدیث قدسی میں تکوینِ عالم اور تخلیقِ کائنات کا مقصدِ اولیٰ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دوں۔ اس کے لئے اس کائنات کی تخلیق کی گئی۔"

گویا تخلیقِ کائنات کی بدولت ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ کائنات میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ عقل و شعور کی دولت کی فراوانی جو انسان کو میسر ہے اور کسی جاندار کو نہیں، مخلوق میں سے جو اپنے خالق کو بہترین طریقے سے سمجھے اور پہچان سکتا ہے وہ صرف انسان ہے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے اس کائنات کی تخلیق کی اور حضرت انسان کو بھی پیدا فرمایا تو ظہور کے بعد اپنی پہچان کرانے کے لئے اوّلیت کا مرتبہ بھی صرف انسان کو ہی بخشا گیا۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں سب سے بڑا رشتہ اور تعلق خدا اور بندے کا تعلق اور رشتہ ہے۔ کائنات پر غور و فکر اور تدبیر سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ انسان واقعی اس پورے

کارخانۂ عالم کی رونق اور زینت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ درخت، پہاڑ جنگل، سمندر، دریا، ندی، نالے، قدرتی مناظر اور تمام مظاہر فطرت اگر اپنی جگہ پر پوری زیب و زینت اور تمام و کمال طریقے سے موجود ہوں۔ لیکن پوری کائنات پر ہُو کا عالم طاری ہوگا، اس کی اہمیت ہی ختم ہو جائے گی اور تہذیب و تمدن کے نام کی کسی چیز کا تصور تو کجا اس کا نام تک نہ ملے گا۔ کائنات ایک سی حالت میں رہے گی اور بیکار محض ثابت ہو گی۔ گویا کائنات کی اہمیت صرف انسانی وجود سے ہے اور بس!

حضرت انسان کی اہمیت کا یہ نقشِ اوّل ہے جو خود ہم نے اپنے غور و فکر اور عقل و فکر کے سہارے تیار کیا ہے۔ اس اہمیت کا اندازہ تو قرآنِ حکیم کی اس آیۂ مبارکہ سے لگانا چاہیئے۔ جس میں خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش اور تخلیق کا مقصد نہایت سادے اور حسین پیرائے میں محض چند الفاظ میں بیان کر کے رکھ دیا ہے، دیکھیئے قرآن حکیم نے خدا اور بندے کے تعلق کو کس حسین پیرائے اور کتنے مختصر لیکن مناسب انداز میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ

ہم نے جن اور انسان کو محض اپنی عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے۔

یہ وہ مختصر آیۂ مبارکہ ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت انسان کی تخلیق کا اوّلین مقصد نہایت بلیغ انداز میں بیان فرما دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی ذہن میں حدیث قدسی کا وہ مضمون بھی اجاگر ہو جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات کا مقصد بیان فرمایا ہے۔ گویا ہم یوں

کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ ذاتِ باری تعالیٰ اپنے ظہور کی متمنی تھی اور اس کائنات کی تخلیق کے بعد اس کی سب سے اشرف اور افضل ہستی کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی ذات کے لئے مختص کر لیا۔

عبادت کا تصوّر ابتدائے آفرینش سے ہی انسانی ذہن میں موجود ہے۔ ابتدائی انسان نے جب اپنے آپ کو فطری ماحول میں پایا تو وہ یقیناً گھبرا گیا ہو گا۔ سائنس نے اس امر کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ یہ زمین ابتداء میں نہایت گرم تھی، ہولناک طوفان، تباہ کن بارشوں اور زلزلوں کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ اس پر حضرت انسان اس وسیع و عریض کرّہ ارض پر بڑی حد تک فطرت کے رحم و کرم پر تھا کہ اسے تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑا تک میسّر نہ تھا۔ آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں افریقہ۔ امریکہ۔ ایشیا اور یورپ کے انتہائی پسماندہ علاقوں میں انسان کی اس بے بسی کا نقشہ دیکھا جا سکتا ہے جہاں انسان پہاڑوں کی غاروں میں ننگ دھڑنگ محض جنگلی جانوروں کے گوشت پر بسر اوقات کرتے ہیں اور زمانے کی موجودہ سائنسی ترقی کا انہیں علم تک نہیں۔ ظاہر ہے کہ دورِ اوّل اور زمانۂ ماقبل از تاریخ کا انسان تو اس سے کہیں زیادہ بے بسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گا۔ اس بے بسی کے عالم اور فطری ماحول میں انسان نے اپنے ذہن میں مظاہرِ فطرت کی برتری کا کچھ اس قسم کا تصور جاگزیں کر لیا کہ اس نے دریاؤں، پہاڑوں، ندی نالوں، درختوں، جنگلی جانوروں، سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے سے زیادہ طاقتور سمجھ کر اپنا معبود بنا لیا۔ یہ دراصل انسانی بے بسی کی ایک مثال تھی، اور اپنے

ماحول کے ہاتھوں شکست کا اعتراف تھا۔ آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں بعض مذاہب میں مظاہرِ فطرت کی پرستش کا جو تصوّر موجود ہے۔ وہ دراصل زمانۂ ماقبل از تاریخ اور ابتدائی انسان کی بے بسی اور شکست کی یاد دلاتا ہے۔

عبادت کے اس تصور پر کبھی بھی جمود و سکوت طاری نہیں رہا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس تصوّر میں متعدد تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ حضرت انسان نے جب معمولی ترقی کی تو اس نے ان مظاہرِ فطرت کو اپنے زیادہ قریب رکھنے کے لئے انہیں بتوں کی شکل دے دی یا نقش و نگار کے روپ میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر اپنے خاندانی بزرگوں کو بھی اپنا معبود بنا لیا اور ان کی پرستش ہونے لگی۔ انسان نے اپنے ہاتھوں جو معبود تراشے تھے ان کا سلسلہ لامتناہی تھا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ انسان کو نیکی کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ماحول کے اثر سے انسان کی یہ حس اور قوت دب جاتی ہے۔ لیکن یہ بات بہر طور تسلیم کرنا پڑے گی کہ انسانی فطرت میں نیکی اور خیر کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے چنانچہ اس جذبے کے تحت ہی عبادت اور معبود کا تصوّر بھی بدلتا رہا۔ انسان نے جب اپنے ہی بھائی بندوں میں کچھ خصوصیات دیکھیں تو انہیں بھی اپنے لئے باعث افتخار سمجھ کر پرستش کی مسند پر بٹھا دیا۔ کہیں شجاعت کا بُت تراشا گیا تو کہیں سخاوت اور نیکی کے جذبے کو بے جان پتھر کی شکل دے کر اس کے سامنے عبادت شروع کر دی۔ غرض انسان نے وقت کے ساتھ ساتھ اپنے معبودوں

کی تعداد میں اضافہ کیا۔

اس بحث کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ آسمانی رشد و ہدایت کے نہ ہونے پر بھی انسان اپنے ذہن میں عبادت کا ایک تصوّر قائم رکھتا رہا ہے۔ اس وقت بھی یہ تصوّر موجود ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس کی وجہ ایک تو فطرت کے سامنے انسان کا اعترافِ شکست اور فطری ماحول میں اپنی بے بسی کا تصوّر ہے اور دوسری وجہ اپنے سے ایک اعلیٰ اور بہتر ہستی کا اعتراف ہے۔ یہ تصوّر انسانی ذہن میں موجود جذبۂ خیر کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ انسان جب مظاہر فطرت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے تو انہیں معبود تصوّر کر لیتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے بعد جب ان مظاہر فطرت کی ناپائیداری انسان پر واضح ہوتی ہے وہ انہیں اپنے سامنے شکست و ریخت کے مرحلوں سے گذرتے دیکھتا ہے اور ان کی تباہی کا تماشا کرتا ہے تو یہاں پر اس کے ذہن میں مزید ایک برتر و اعلیٰ ہستی کا تصوّر جنم لیتا ہے۔ وہ ہستی جو ان تمام مظاہر فطرت کو کنٹرول کرتی ہے۔ خدا کے تصور تک رسائی کا یہ فکری اور فطری انداز ہر شخص کو میسّر نہیں آسکتا۔ بلکہ انسانی عقل تو صرف منزل اول پر ہی ریجھ کر رہ جاتی ہے۔ وہ اپنے خیالی معبودوں کی ناپائیداری دیکھ کر بھی ان سے برئیت کا اظہار نہیں کرتی۔ بلکہ عقلِ حیلہ جو مزید جیلے بہانے تراش لیتی ہے۔ دراصل یہی وہ مقام ہے جہاں نصرتِ خداوندی انسانوں کے شاملِ حال ہو کر ان کی صحیح رہنمائی کرتی ہے۔

عبادت کے اس تصوّر پر اس بحث کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ

غیر اللہ کی عبادت کی بجائے انسانوں کو صرف ایک خدا کی عبادت کا تصوّر کہاں سے مل سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس ضرورت کو پُورا کرنے کے لئے کیا اہتمام فرمایا۔ اوپر کی بحث سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر انسان کو صرف اس کے نظری ماحول ہی میں رہنے دیا جائے تو وہ صرف مظاہر فطرت کی پرستش تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھتا ہے۔ اگرچہ عقل وشعور کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسے ایک برتر ہستی کا تصور بھی مل جاتا ہے۔ لیکن اوّل تو تصور ہر انسان کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا یہ کہ اس تصور کی صحیح آبیاری وحی خداوندی کے بغیر کسی صورت ممکن ہی نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسان کے بنائے ہوئے معبودوں اور معبودِ حقیقی کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہوتی ہے۔ اس مقام پر کفر و شرک کے قفل ٹوٹتے ہیں اور توحید و وحدانیت کے روشن راستے کھلتے نظر آتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے :-

"دنیا میں کوئی خطّہ ایسا نہیں جہاں پر ہم
نے اپنی طرف سے کسی ڈرانے والے کو نہ
بھیجا ہو۔"

قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ دنیا کا کوئی خطہ کسی پیغمبر، نبی یا رسول کی آمد سے خالی نہیں رہا۔ ہر آنے والے نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اپنی تعلیم کا مرکزی نقطۂ نظر قرار دیا اور زمانے، اور ماحول کے مطابق اپنی امّت یا فرقے کو خاص خاص شعائر دیئے۔ انہی

شعائر کو ارکانِ مذہب یا دوسرے لفظوں میں عبادات کا نام دیا جاتا ہے انہی عبادات میں سے ایک روزہ بھی ہے۔ اسلام سے قبل تمام مذاہب میں روزہ ایک اہم عبادت کی حیثیت سے شامل تھا۔ اس پر مکمل بحث تو اگلے باب میں کی جائے گی۔ لیکن یہاں صرف اس قدر وضاحت ضروری ہے کہ اسلام کے علاوہ دیگر آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب میں آج بھی روزے کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ جو اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے، کہ روزے کی افادیت ہر دور میں ہر مذہب کے نزدیک مسلّم رہی ہے۔ البتہ زمانے اور حالات کے ساتھ ساتھ اس عبادت میں ردّو بدل ہوتا رہا اور اس کے لوازمات بھی بدلتے رہے۔ لیکن اسلام نے جہاں دیگر عبادات کو آخری اور حتمی شکل دی ہے وہاں روزے کو بھی کمال حسن و خوبی سے کمال و تمام کیا اور آج روزہ اسلام کا نہ صرف اہم بنیادی رکن ہے۔ بلکہ نہایت حسین عبادت ہے۔

اس عبادت کی اہمیت کا اندازہ ہی کیا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود یہ فرمائے کہ:-

"روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی روزے دار
کو اس کا اجر دوں گا۔"

اگرچہ یہ بحث کچھ طویل ہو گئی ہے۔ لیکن عبادت کی ضرورت اور ذہن انسانی میں اس کا تصور اور خالص عبادت الٰہی کی اہمیت واضح کرنے کے لئے یہ بحث ناگزیر تھی۔ میں نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ عام فہم اور سادہ زبان میں اس بحث کو سمیٹا جائے۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ کتاب کا مطالعہ

کرنے سے پیشتر قاری جب اس بحث کو غور وخوض سے پڑھے تو عبادت سے متعلق ایک ہمہ گیر تصور اس کے ذہن میں جاگزیں ہو جائے تاکہ عبادت کی اہمیت کو سامنے رکھ کر وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے اور اسلامی ضابطۂ حیات کے ایک اہم رکن یعنی روزہ کی اہمیت وافادیت کو خوب سمجھ کر اور جانچ پرکھ کر کے اس پر عمل کرے۔ کیونکہ علم ویقین کے بغیر عمل کی افادیت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور قلب و دماغ اس عمل سے پوری طرح متاثر نہیں ہو پاتے۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں۔ اس کا اندازہ لگانا قارئین کرام کا کام ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے توفیق وبخشش کا طالب ہوں۔ اب اس کتاب کے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں اور اس کے پہلے باب کا آغاز کرتا ہوں۔ اس باب میں قدیم مذاہب میں روزے کے تصور پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

---

# جملہ مذاہب میں روزے کا تصور

روزہ اپنی افادیت، اہمیت اور عظمت کے اعتبار سے ایک ایسی منفرد اور عظیم الشان عبادت ہے کہ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں اس عبادت کا تصور کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے۔ انجیل، زبور، تورات اور قرآن حکیم کے علاوہ بدھوؤں، ہندوؤں اور پارسیوں کی کتابیں اس حقیقت پر دال ہیں کہ ان تمام مذاہب میں روزہ ایسی افضل عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی تمام تر تعلیمات اپنے اصل رنگ میں آج بھی اس کے پیروکاروں کے پاس موجود ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی وہ کتاب جو ان کی روحانی اساس ہے یعنی قرآن حکیم۔ میں ایک شوشے کی تبدیلی کرنے کی کسی کو جسارت نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی بدبخت نے ایسی ناپاک جسارت کی بھی تو وہ ناکام و نامراد رہا۔ چونکہ اس کتاب کے تحفظ کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھی ہے۔ اس لئے وہ تمام تعلیمات بھی محفوظ و مامون ہیں جو اس قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے :۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے اسے نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جیسی بزرگ و برتر ہستی کسی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرے تو پھر اسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک قرآنِ حکیم میں کسی بھی شخص کو کسی قسم کے ردّ و بدل کی جراُت نہیں ہوئی۔ چونکہ قرآن حکیم کی تعلیمات اسلام کی تعلیمات ہیں۔ اسلام دنیا کا آخری اور مکمل دین ہے جو قیامت تک بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا رہے گا۔ اس لئے قرآن و اسلام کی صداقت و حقانیت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم و تنسیخ نہ ہونے پائے۔

یہاں بحث کو طول دینے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ قارئین یہ سمجھ لیں کہ اگرچہ روزے کا تصور تمام آسمانی مذاہب اور ان مذاہب کی کتب میں موجود رہا ہے۔ لیکن جہاں ان مذاہب کے ماننے والوں اور ان کے دینی رہنماؤں نے اپنی سہولت کے لئے ضروری سمجھا وہاں تبدیلی کر دی اور صدیاں گذر جانے کے بعد آج ان مذاہب کی کتابوں میں بمشکل ہی خدا کا کوئی حکم اس رنگ میں موجود ہے جو اس کے نزول کے وقت تھا۔ اس سے ایک تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قرآن حکیم کے سوا کسی بھی آسمانی کتاب کے تحفظ کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ ذمہ داری مذہبی رہنماؤں پر ڈال دی گئی تھی اور مذہبی رہنماؤں نے بقول قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے احکام تک میں تصرف کیا اور خدائی تعلیمات انسانی دست برد کا شکار ہو کر رہ گئیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پہلے مذاہب صرف کسی خاص قوم یا ملک میں ایک خاص وقت کے لئے ہوتے تھے۔ چونکہ آسمانی کتب میں ترمیم کے بعد لوگوں کی ہدایت کے لئے کسی

نئے رسول نبی یا پیغمبر کی ضرورت کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن حکیم کا بغیر کسی تبدیلی یا ترمیم کے آج تک دنیا میں باقی رہنا اس بات کا واضح اور دو ٹوک ثبوت ہے کہ اسلام پوری بنی نوع انسانی کی ہدایت کے لئے ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور مسلمان اس سلسلۂ کائنات کی آخری امت اور کڑی!

بہرطور روزہ ایسی افضل عبادت کے متعلق قرآن حکیم کا بھی یہی ارشاد ہے کہ:

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے تم سے پہلے آنے والی امتوں پر فرض کئے تھے۔"

قرآن حکیم کی اس آیت سے مزید اس بات کا ثبوت مل گیا کہ وہ تمام مذاہب اور تمام امتیں جن کی طرف پیغمبر اور کتاب بھیجی گئی تھی ان پر دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ روزہ بھی فرض کیا گیا۔ چونکہ تمام مذہبی کتب میں ماسوائے قرآن حکیم کے بیشمار تبدیلیاں اور ترامیم کی جا چکی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا امر محال ہے کہ مسلمانوں سے پہلے جو امتیں آئیں وہ روزے ایسی عبادت کو کس طرح ادا کرتی تھیں۔ بہت ممکن ہے کہ پہلے مذاہب کی کتابوں میں اس عبادت کی تفصیلات نہ دی گئی ہوں بلکہ لوگوں نے کثرت فوائد کے سبب اس کی تفصیلات خود اپنے لئے پیغمبروں سے معلوم کی ہوں۔ البتہ قرآن حکیم میں اس عبادت کی تفصیلات کا کسی حد تک ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً تقریباً ان کی تعداد، اوقات اور اس کے ساتھ ساتھ اس عبادت کی فضیلت کے متعلق بھی بھرپور اشارہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی طرح عیسائی اور یہودی

اسے روزے کا نام ہی دیتے ہیں۔ البتہ تعداد اور اس عبادت کی ادائیگی اور اس کی جزئیات میں اختلاف موجود ہیں۔ بعض احادیث سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے پہلی امتوں پر اس عبادت کی شدت زیادہ تھی۔ مثلاً قرآن حکیم نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ روزہ افطار کرنے کے بعد اور سحری کھانے سے قبل کے درمیانی عرصہ میں اپنی بیویوں سے جماع کر سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کی طرف سے مسلمانوں کو اس فعل کی خاص طور پر اجازت دینے کا واضح مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں پر یہ پابندی بھی تھی کہ وہ روزہ رکھنے کے دوران کسی بھی وقت اپنی بیویوں سے جماع نہیں کر سکتے تھے۔ یہ حکم ان کے مذہبی شعائر میں سے تھا۔ اسلام نے اسے مسلمانوں کے لئے آسان بنا دیا۔ پہلی امتوں پر روزے کے اوقات بھی زیادہ طویل تھے۔ روزہ پورے چوبیس گھنٹے یعنی دن رات پر مشتمل ہوتا تھا۔ بعض لوگوں کے نزدیک تعداد بھی زیادہ تھی۔ جب کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے سال میں انتیس یا تیس[29] روزے مقرر فرمائے۔

اسلام نے اس عبادت کو اتنی اہمیت و فضیلت بخشی کہ اسے ارکانِ اسلام میں شامل کر دیا۔ یعنی دینِ اسلام کا یہ وہ رکن ہے کہ ہر بالغ، ذی ہوش اور تندرست مسلمان مرد اور عورت پر اس کی پابندی لازمی ہے اور اسے توڑنے کی صورت میں گناہِ عظیم لازم آتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہودیوں اور نصرانیوں کو اہل کتاب کہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف پیغمبر اور الہامی کتابیں بھیجی گئیں۔ ان کتابوں میں روزہ ایسی عبادت کا ذکر موجود ہے۔ بعض قومیں ان کے علاوہ بھی جو اپنی مذہبی تعلیمات میں اس

عبادت کا کسی نہ کسی انداز میں ایک تصور ضرور رکھتی ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ قرآنِ حکیم نے نام لے لے کر ان تمام امتوں اور قوموں کا ذکر واضح الفاظ میں کیا گیا ہے اور باقیوں کے لئے ایک عمومی انداز اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

" دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں ہم نے کسی
ہادی کو نہ بھیجا ہو۔ "

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

" ہم اس وقت تک کسی قوم کو تباہ نہیں
کرتے جب تک کہ اتمامِ حجت کے طور پر
اس کی طرف کسی رسول کو نہ بھیج لیں۔ "

قرآن حکیم کی ان آیات کا بغور مطالعہ کریں اور بنظرِ عمیق جائزہ لیں تو ہمیں اس امر کا ثبوت مل جاتا ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں اور ہر امت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے یعنی نبی رسول اور پیغمبر بھیجے جنہوں نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور انہیں خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی۔ کیونکہ توحیدِ خداوندی کا پرچار ہر نبی اور رسول کی تعلیمات کا مرکز و محور رہا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ دنیا کے ہر خطے میں ہر قوم کی طرف نبی اور پیغمبر بھیجے جاتے رہے ہیں۔ تو یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ ان تمام امتوں پر روزے بھی نازل کئے گئے تھے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

" اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے

ہیں، جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض
کئے گئے تھے۔"

گویا دو باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) دنیا کے ہر خطے میں ہر قوم کے لئے نبی یا رسول مبعوث کئے گئے۔

(۲) ہر نبی کی اُمت پر روزے بھی فرض کئے گئے۔

یہاں تک تو ان مذاہب کا ذکر ہوا۔ جن کا ذکر آسمانی کتب میں موجود ہے۔ اور خاص طور پر قرآن حکیم نے ان سے متعلق اس امر کی تصدیق کر دی ہے، کہ ان مذاہب کے پیروکاروں پر آسمانی کتب نازل کی گئیں اور ان لوگوں میں نبی اور پیغمبر مبعوث کئے گئے۔ قرآنِ حکیم اور دیگر آسمانی مذاہب نے تمام آسمانی کتب کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ قرآنِ حکیم نے جیساکہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ روئے زمین کی تمام قوموں اور بستیوں میں اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے اپنے خاص بندے یعنی پیغمبر اور رسول مبعوث فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں جنہیں آج ہم اہلِ کتاب میں شمار نہیں کرتے۔ ان کے ہاں بھی روزے کا تصور موجود ہے۔ مثلاً ہندو مت، بدھ مت، شیں مت، شنٹو مت، زرتشت اور قدیم یونانی مذاہب میں بھی اس عظیم عبادت کا تصور کسی نہ رنگ میں موجود ہے۔ بدھ مت کی تاریخ شاہد ہے کہ اس مذہب کے بانی گوتم بدھ نے جب تخت و تاج پر لات مار کر تلاشِ حقیقت کے لئے جنگلوں کی راہ لی تو اس نے روحانیت کے حصول کے لئے جو طریق کار اختیار کیا وہ بنیادی طور پر روزے کے تصور پر ہی مبنی تھا۔ بدھ مت کی کتب کے مطابق گوتم بدھ گیا کے

مقام پر بڑھ کے ایک درخت کے نیچے گیان دھیان میں مصروف ہوا تو اس نے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا اور مسلسل فاقہ کشی کے ذریعے اپنی روحانی قوت کو اس درجہ کمال تک پہنچایا کہ بالآخر اسے گوہر مقصود ہاتھ آ گیا۔ روحانی قوت کے عروج و کمال کے لئے کم خوری ایک بنیادی ضرورت ہے۔ دنیا بھر کے صوفیاء کرام اور روحانی دنیا کے شناوروں نے اپنے عقیدت مندوں کو اس کی تلقین کی۔ یہاں اس بحث کا موقع نہیں کیوں کہ اگر اس مقام پر بحث کو اٹھایا جائے تو نفس مضمون سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے میں اسے کسی دوسرے اور مناسب موقع کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ بہرحال یہاں اشارہ اس امر کی طرف مقصود تھا کہ روحانی ترقی کے لئے فاقہ کشی اور کم خوری لازمی ہے۔ یہ بات نہ صرف روحانی طور پر درست ہے۔ بلکہ دنیائے طب بھی اس کی افادیت کی قائل ہے کہ جب کم خوری اور فاقہ کشی سے نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو روحانی ترقی کے مدارج طے ہونے لگتے ہیں۔ سرکار دو عالم حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو کم خوری کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ کھانے کے معاملے میں اعتدال کی تلقین کی گئی ہے اور فرمایا کہ مومن بطن کے تین حصوں میں سے صرف دو کو کھانے سے بھرتا ہے اور ایک کو خالی چھوڑ دیتا ہے۔ خود آپؐ نے ساری زندگی کبھی بھی شکم سیری پوری طرح نہیں فرمائی۔ صحابہ کرامؓ کا بھی اسی پر عمل رہا۔ اصحاب صفہ کا وہ گروہ جو آگے چل کر اسلامی تصوف کا علمبردار بنا ہمیشہ فاقہ کشی اور کم خوری کو اپنائے رکھتا تھا۔

جین مت میں بھی روحانی ارتقاء کے لئے فاقہ کشی کو بنیاد مانا گیا ہے۔ مندرت

کا تو آج بھی یہ عالم ہے کہ جوگی اور دیگر مذہبی رہنما جو ترک کردنیا کرتے ہیں۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر طویل فاقہ کشی میں مصروف رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے نفس کی آلائشوں کو پاک کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی جو محیر العقول باتیں دیکھنے میں آئی ہیں وہ بڑی حد تک ان کی روحانی مشقتوں ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان کی روحانی مشقتوں میں فاقہ کشی اور کم خوری کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے فاقہ کشی کی بدولت ہی یہ لوگ اپنے تصوّر کو ایک برتر ہستی کی طرف لگا دیتے ہیں جو شکم سیر انسان کے لئے ممکن ہی نہیں۔

جین مت کی تاریخ بھی اس امر کی شاہد ہے کہ جب اس مذہب کے بانی روحانی سکون اور حقیقت کی تلاش شروع کی تو بالکل گوتم بدھ کی طرح اس نے بھی طویل فاقہ کشی اور اسی وسیلے سے اپنی روحانی ترقی اور ارتقار کی منزلیں طے کیں۔

قدیم یونانی علماء جنہیں مذہبی پیشوائی کا مقام حاصل تھا وہ بھی طویل عرصہ تک جنگلوں اور پہاڑوں میں فاقہ کشی کی مشق کیا کرتے تھے۔ یونانی تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ یہ لوگ جنہیں اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کرتے انہیں فاقہ کشی کی سخت آزمائش سے گذرنا پڑتا تھا۔ یونانی صوفیا کا ایک بہت بڑا اور مؤثر گروہ ایسا تھا جو ترک دنیا کو ہی روحانی ارتقاء کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا۔ معاشرے میں ان لوگوں کو بڑا بلند مقام حاصل تھا۔ یہ لوگ بڑے صاحبِ علم ہوتے تھے اور لوگ ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر علم و فضل کے موتی رولتے تھے۔ ان کی تعلیمات نہایت پاکیزہ اور بلند تھیں۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یونان کی

سرزمین سے ہی تصوف کا آغاز ہوا تھا اور آہستہ آہستہ یونانی صوفیا کے طریقے اور مسلک نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنے اثر میں لے لیا۔ تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت ہے کہ بعض مسلمان صوفیائے کرام بھی یونانی تصوف سے متاثر تھے لہٰذا یہ امر اپنی تحقیق کو پہنچتا ہے۔ کہ یونان واقعی ایک دور میں تصوف کا مرکز تھا ہندوستان میں ٹیکسلا، مصر میں سکندریہ اور ایران کے کئی شہر بھی صوفیا اور راہبوں کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ قطع نظر اس سے کہ تصوف کی اس دنیا پر مبالغے کا رنگ غالب تھا۔ اور انسانوں کی خود ساختہ باتوں اور طریقوں نے بھی اس میں راہ پالی تھی۔ جس سے راہبوں اور صوفیا کا گروہ بے شمار لغویات اور گمراہ کن باتوں کا شکار ہو گیا تھا۔ بلکہ متعدد معاشرتی برائیاں ان راہبوں اور صوفیوں کے مراکز سے پیدا ہو کر معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔

چین میں شینٹوں مت کو کسی دور میں بے حد فروغ حاصل ہوا اور ایک عرصہ تک شینٹو مت چین کا سرکاری مذہب رہا۔ اس میں بھی روزے کا واضح تصور موجود تھا۔ اس مذہب کے جاننے والے بعض مخصوص ایام میں کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں میں یہ لوگ گھروں اور بستیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں عبادت میں مصروف رہتے اور زرتشت کے پیروکار باقاعدہ ایک جشن مناتے تھے اور تمام تقریبات مذہبی پیشواؤں کی نگرانی میں انجام پاتی تھیں۔ مسلمان صوفیائے کرام کی تاریخ بھی اس حقیقت پر دال ہے کہ انہوں نے روحانی مدارج طے کرنے کے لیے جہاں دیگر مشقتیں اٹھائیں وہاں نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے

طویل فاقہ کشی کو اپنایا۔ حضرت مخدوم علی صابر کلیریؒ کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے تیس سال تک روزہ رکھا۔ قطع نظر اس سے کہ اس روایت میں کچھ مبالغہ ہے یا نہیں۔ ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ روزہ یا طویل فاقہ کشی کو صوفیائے کرام نے اپنی روحانی ارتقاء کا ایک اہم ذریعہ بنا لیا تھا۔ اکثر صوفیائے کرام کئی کئی دن فاقے سے رہتے تھے۔ جب کوئی ارادت مند کسی صوفی کے حلقے میں داخل ہوتا تو اسے باقاعدہ فاقہ کشی کی مشق کروائی جاتی تھی۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس میں صبر و تحمل، قناعت و فقر اور خواہشات نفسانی سے لاتعلقی پیدا ہو اور یکسوئی سے عبادت میں مصروف رہ سکے۔

یہ بحث اگرچہ طویل ہو گئی ہے۔ لیکن نفسِ مضمون اس امر کا متقاضی تھا کہ اسے پوری طرح وضاحت کے ساتھ قارئین کے ذہنوں میں جاگزیں کر دیا جائے۔ تاکہ روزے کی افادیت کا ایک بھرپور نقش ابھر کر سامنے آ جائے اس بحث سے جہاں روزے کی افادیت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس عبادت کی فضیلت اور مقام اس قدر بلند ہے کہ دنیا بھر کے مذاہب نے اسے کسی نہ کسی رنگ میں اپنایا ہے اور اس کی ہمہ گیر افادیت کا یہ عالم ہے کہ دنیائے تصوف میں روحانی ارتقاء کے لئے اسے ایک زینے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ قرآن حکیم نے اعلان کیا کہ اے ایمان والو تم سے پہلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ اگر قوموں کی تاریخ اور مذہبی کتابوں کی جانچ پڑتال نہ بھی کی جائے۔ تو قرآن حکیم میں یہ آیت ہی اس ثبوت کے لئے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عبادت کو بدرجہ غایت پسند کرتا ہے اور

اس نے تمام امتوں پر یہ فرض عائد کیا تھا۔

یہاں اس بحث کا انجام ہوتا ہے اور اب ارکانِ اسلام میں روزے کی اہمیت پر بحث کی جائے گی۔

---

# فرضیتِ صیّام کا فلسفہ

مسلمانوں نے قریش مکہ کے روح فرسا مظالم سے تنگ آکر پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ رمضان المبارک سے متعلق بھی وحی خداوندی کا نزول مدینہ منورہ ہی میں ہوا۔ روزوں سے متعلق ابتدائی اور بنیادی آیات کا تعلق سورہ بقرہ سے ہے۔ اور سورۂ بقر مدنی سورہ ہے۔ دراصل یہاں اس کی مختصر سی تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ واضح کیا جاسکے کہ اس وقت مسلمان انتہائی کسمپرسی کی حالت میں تھے۔ ان پر خدا کی زمین تنگ ہو رہی تھی۔ دشمن ان پر ہر طرف سے اچک لے جانے کے لئے حملہ آور ہو رہے تھے۔ مدینہ منورہ میں جہاں ایک طرف قریش مکہ کے حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ وہاں یہود و نصاریٰ کی خوفناک سازشیں الگ مسلمانوں کو پریشان کر رہی تھیں۔ مٹھی بھر حق پرستوں کی یہ جمعیت چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھی۔ مالی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت انتہائی دگرگوں تھی۔ اگر دو چار مہمان آجاتے تو کسی ایک مسلمان پر سارا بوجھ ڈالنے کی بجائے انہیں چند مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے تاکہ وہ ان کے طعام و قیام کا اہتمام کریں۔ البتہ مسلمانوں کو اتنا سکون ضرور مل گیا تھا کہ وہ قریش مکہ کے

مظالم سے کسی حد تک نجات پا کر اب اس پوزیشن میں تھے کہ آزادی کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والی طاقت کے سامنے سربسجود ہوتے اور دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ بھی کسی حد تک آزادی سے کی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حکمرانوں کو تبلیغی خطوط بھی ارسال کئے اور انہیں حق کی دعوت دی۔ یہ تھے وہ حالات جن میں مسلمانوں پر دین کا ایک اہم رکن یعنی روزہ فرض کیا گیا۔

قریش مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ جس کشمکش کا آغاز کیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی وہ کشمکش بدستور جاری تھی۔ دراصل یہ دو نظریات کا تصادم تھا۔ اس میں کسی ذاتی پرخاش کو قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔ جہاں تک ذاتیات کا تعلق تھا قریش مکہ علی الاعلان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے بدرجہا بہتر تسلیم کرتے آپ کی خوبیوں کا کھلے بندوں اعتراف کرتے تھے۔ سارا جھگڑا مذہبی نظریات کا تھا۔ قریش مکہ اس نئے دین کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ وہ بضد تھے کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین پر نہ صرف قائم رہیں گے بلکہ اس کے خلاف کوئی لفظ بھی وہ سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ جب ان کے سارے حربے ناکام ہو گئے اور ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر پورے زور شور اور سرگرمی سے تبلیغ حق کا آغاز کیا اور دائرہ اسلام وسعت اختیار کرنے لگا تو قریش کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ انہیں نظر آنے لگا کہ ان کے آباؤ اجداد کا مذہب جسے وہ سینے سے لگائے ہوئے تھے اور درست سمجھتے تھے اب محفوظ نہیں رہ سکتا اور دین اسلام کے سامنے ان کا کوئی بس

نہیں چلے گا۔ دراصل اسلام وہ آفتاب تھا۔ جس کے سامنے کفر و شرک کے چراغ جل ہی نہیں سکتے تھے۔ اس ساری کش مکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش مکہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو بھی چین نہیں لینے دیں گے اور میدان جنگ میں اس امر کا فیصلہ ہو جائے گا کہ ان کے آباؤ اجداد کا دین باقی رہتا ہے یا اسلام! قریش مکہ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور تمام قبائل میں طبلِ جنگ بج رہا تھا۔ مسلمانوں کے سامنے ایک عظیم آزمائش کا وقت تھا دراصل قریش مکہ کے ساتھ ہی تصادم تک بات محدود نہیں تھی۔ بلکہ حق تعالیٰ نے چونکہ دینِ اسلام کو قیامت تک کے لئے پوری نوعِ انسانی کے لئے رشد و ہدایت کا منبع بنا دیا تھا۔ اس لئے اب یہ بات ظاہر و باہر تھی کہ وہ تصادم جو قریش سے ہوگا، نظر آتا تھا وہ یہیں تک محدود رہنے والا نہیں تھا بلکہ دنیا بھر میں کفر و شرک اور گمراہی کی قوتوں کے ساتھ مسلمانوں کا تصادم شروع ہونے والا تھا۔ مسلمانوں نے اس عالمگیر تحریک کی ابتدا کر دی تھی۔ غیر ملکی حکمرانوں کے نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط بھی اس تحریک کی ایک کڑی سمجھی جانی چاہیئے ظاہر ہے کہ جب اتنی بڑی تحریک کا آغاز ہو رہا تھا جو پوری دنیا میں ضلالت و گمراہی کی طاقتوں سے ٹکر لینے والی تھی پھر اس کے لئے یہ بات بھی نہائی ضروری تھی کہ تحریک کے ارکان اپنے اندر صبر و استقلال، عزم و حوصلہ اور سخت کوشی ایسے اعلیٰ اوصاف پیدا کریں۔ تاکہ جب وہ دنیا بھر کی راگم کردہ قوتوں سے ٹکر لینے کے لئے میدان عمل میں آئیں تو کسی مرحلے پر بھی وہ حوصلہ شکنی کا مظاہرہ نہ کریں۔ میدانِ جنگ میں موسم کی سردی گرمی، بھوک پیاس، سفر کی صعوبتیں

غرضیکہ وہ ہر تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں۔ اسلام کو ایک ایسی ہی جماعت کی ضرورت تھی جو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادتِ عظمیٰ میں مٹھی بھر حق پرستوں کی شکل میں میسر آگئی۔ یہی جماعت تھی جس نے آگے چل کر قیصر و کسریٰ کی قبائیں اور آنِ واحد میں بڑے بڑے ظالم و جابر حکمرانوں کے تختے اُلٹ دیئے۔ غرض اس جماعت کی تربیت کے لئے جن قواعد و ضوابط کی ضرورت ہوسکتی تھی روزے کو اس میں بڑی اہمیت دی گئی اور حق و باطل کے پہلے معرکے سے قبل ہی مسلمانوں میں سخت کوشی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے ماہ صیام کا نزول ہوگیا۔ چنانچہ جملہ تواریخ اس پر متفق ہیں کہ حق و باطل کا پہلا معرکہ (جنگِ بدر) اس حالت میں لڑا گیا کہ مٹھی بھر حق پرست جہاں ظاہری سامان سے محروم تھے وہاں جسمانی اعتبار سے بھی وہ بظاہر بڑے کمزور دکھائی دیتے تھے کیوں کہ روزے سے تھے۔ لشکر کفار میں شراب و کباب کی گرم بازاری تھی۔ کیوں کہ وہ لوگ جنگ جیتنے کے لئے خون میں انہی اشیاء سے گرمی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے اس حالت میں تھے کہ کسی کے منہ میں کھیل تک اڑ کر نہ گئی تھی اور ہونٹوں پر پیپڑیاں جمی تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا یہی تھی کہ ان مٹھی بھر حق پرستوں میں روزے کے ذریعے نہ صرف زیادہ سے زیادہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا کی جائے بلکہ انہیں کفار کے مقابلے پر اسی حالت میں لایا جائے کہ وہ دینِ اسلام کے ایک اہم رکن کی پابندی کرتے ہوئے زندگی کی سخت کوشی، صبر و استقلال اور تحمل کا عملی مظاہرہ بھی کریں اور وہ یہ جان لیں کہ حق پرستی کا مرحلہ کس قدر کٹھن ہے۔ گویا یہ ایک بھٹی تھی

جس میں مسلمانوں کو تپا کر کندن بنایا جا رہا تھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مسلمان واقعی اس تربیت کی بھٹی سے ایسے کندن بن کر نکلے کہ ایک عالم کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ نزولِ رمضان کے فوراً بعد ہی مسلمانوں کو زندگی کا پہلا اور بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ اندازہ لگائیے کہ ایک طرف قریش کا الاؤ لشکر جو فولاد میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسلام کو معاذ اللہ مٹا دینے کے مذموم عزائم کے ساتھ میدان میں آیا۔ اس لشکر کو میدان جنگ میں ہر سہولت میسّر تھی۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اس لشکر میں شامل تھے۔ سامانِ جنگ کی فراوانی تھی اور لشکر کے لئے انعام و اکرام کا لالچ اس پر مستزاد تھا۔ مٹھی بھر مسلمان انہیں حقیر مخلوق نظر آئی تھی۔ ادھر مسلمانوں کا یہ عالم کہ ایک روایت کے مطابق ؎

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
بدلنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

تلواروں پر نیاموں کی جگہ کپڑا لپیٹا گیا تھا۔ پریشان حال مسلمان پیٹ سے بھی خالی تھے، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بموجب انہوں نے اپنے اوپر ہر شے حرام کر لی تھی۔ زندگی کے یہ وہ سخت کوشی اور صبر و استقلال تھا جو اسلام مسلمانوں میں پیدا کرتا اور اس کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس تربیت کا پہلا مظاہرہ میدان بدر میں ہوا۔ یہ سوچا جا سکتا ہے۔ کہ آخر رمضان المبارک کا نزول ان حالات ہی میں کیوں ہوا، جب کہ مسلمان مالی اور اقتصادی اعتبار سے انتہائی مجبور و بے کس تھے۔ جب ان پر ہر طرف سے دشمن یلغار کر رہے تھے۔ جب دشمنانِ اسلام نے انہیں وطن چھوڑنے پر

مجبور کر دیا تھا۔ اور وہ گھر بار اور بعض اہل و عیال کو بھی چھوڑ کر سینکڑوں
میل دُور جا بیٹھے۔ پھر ان حالات میں انہیں سکون میسّر نہ آسکا۔ دشمن
نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ خود شہر کے اندر یہود و نصاریٰ ایسے بدترین
دشمنانانِ اسلام موجود تھے۔ باہر سے دشمن دروازے پر دستک دینے آ
پہنچا تھا۔ سامان جنگ ان کے پاس نہ تھا۔ اکثر مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام سمیت فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ کسی کے پاؤں میں جوتا تک
نہ تھا۔ یہاں تک کہ بعض کے پاس مکمل لباس نہ تھا۔ کیا یہ آزمائش اور مصائب
کے اسباب کم تھے کہ انہی حالات میں اسلام کے ایک اہم اور بنیادی رکن کا
نزول ہوا اور اس کی پابندی بھی ایسے حالات میں مسلمانوں کو کرنا پڑی جب کہ
وہ اپنے بدترین دشمنوں کے خلاف زندگی اور موت کا پہلا معرکہ لڑنے کے
لئے میدان عمل میں اترے تھے۔ ان حالات پر غور کرنے سے از خود ہی اسلام
کے اہم رکن یعنی رمضان المبارک کا بنیادی فلسفہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ
یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں تقوےٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ ان میں
زندگی کی سخت کوشی، محنت اور صبر و استقلال کا انتہائی جذبہ پیدا کرنا چاہتا
تھا۔ تاکہ وہ جماعت جو دینِ اسلام کے غلبے کے لئے تیار کی جا رہی تھی۔ وہ زندگی
کے کسی معرکے میں حالات سے شکست کھانے کا تصور ہی ذہن میں نہ لاسکے۔ نیز
یہ کہ دنیا کی کوئی مصیبت اور تکلیف کو اپنے راستے میں حائل نہ سمجھے اور اسے
ایک ایسی عسکری زندگی کی تربیت مل جائے۔ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں
موجود ہے اور نہ آئندہ کوئی قوم پیش کر سکے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس حالت

میں جب کہ مسلمانوں کی کسمپرسی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ مسلمان مزید تکالیف اٹھائیں اور روح وجسم کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے انہیں جو نانِ جویں میسّر ہے، اس سے بھی ایک خاص وقت تک محروم رہیں۔

---

# روزہ اور دیگر عبادات کا تقابلی جائزہ

قرآن حکیم کا ہر حکم اپنے اندر حکمت اور فلاح کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو ایک حکم بھی ایسا نہیں دیا گیا جو حکمت و دانائی سے خالی ہو۔ بالکل یہی حال روزے کا ہے۔ اس سے قبل بحث میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ وہ کون سے حالات تھے جن میں ماہِ صیام کا نزول ہوا۔ اور ماہ صیام کا نزول ان حالات ہی سے کیوں مختص ہوا۔؟

اب اس باب میں اس امر پر بحث کی جائے گی کہ جن حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے نازل فرمائے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں کیا اوصاف اور خوبیاں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ نیز یہاں روزہ اور دیگر عبادات کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا جائے گا۔ تاکہ اس عبادت کی فضیلت و برتری کا ایک واضح تصور سامنے آجائے۔ قرآن حکیم نے تخلیق آدم کا مقصدِ اولیٰ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَ ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون

ہم نے جن و انس کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا،

عبادت ایک نہایت جامع اصطلاح ہے اور عبادت کی لاتعداد اقسام ہیں یہاں تک

بکہ اگر کوئی شخص رزقِ حلال میں حیران و سرگرداں ہو تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق اس کا شمار بھی عبادت میں ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کی بے شمار قسمیں ہیں۔ لیکن بعض عبادات کا حکم خصوصی طور پر دیا گیا ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، حقوق العباد کی ادائیگی، نیکی کا حکم اور اس میں تعاون و اشتراک، بدی سے ممانعت اور اس سے پرہیز و اجتناب، پھر ہر عبادت کا مقصد واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً نماز کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

"بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں
سے روکتی ہے۔"

گویا دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز انسانی اخلاق و کردار کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور انسان کی ذاتی اصلاح کا دائرہ بالآخر پورے معاشرے کو محیط کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص نماز کی پوری پابندی کے باوجود بے حیائی کے کاموں سے نہیں بچتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ادائیگی نماز کا حق ادا نہیں کیا۔ نماز سے اس کے کردار پر جو اثرات مرتب ہونے چاہیئے تھے وہ نہیں ہوئے۔ اب قرآن حکیم کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص نے نماز کا مقصد و مفہوم ہی نہیں سمجھا اس نے محض ایک رسم کے طور پر یہ عبادت اختیار کی حالانکہ اسلام عبادت کو رسم کا درجہ ہرگز نہیں دیا۔ اس قسم کی نماز اور نمازیوں کے متعلق اسلام کا ارشاد ہے کہ ان کی نمازیں ان کے منہ پر دے ماری جاتی ہیں۔

روزہ بھی اسلام کی بنیادی عبادات میں سے ہے۔ یہ عبادت بھی ایسی ہے کہ اسے محض اختیار کا درجہ حاصل نہیں بلکہ ایک مقررہ وقت میں اس کی ادائیگی لازم ہے۔

قرآنِ حکیم نے روزے کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

" اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سب پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

متقی کے معنی ہیں پرہیزگار، نیک اور خدا سے ڈرنے والا۔ روزہ جتنی افضل عبادت ہے اس کا مقصد بھی اتنا ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص خدا سے ڈرنے لگتا ہے تو اس سے کوئی بھی کام معیشتِ خداوندی کے خلاف سرزد نہیں ہو سکتا۔ گویا وہ قرآن حکیم کے اس فرمان کو کہ

" اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

پورا کر دکھاتا ہے اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔ روزے سے کسی قسم کی پرہیزگاری اور خدا کا خوف انسان میں بیدار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے اس عبادت کا تفصیلی جائزہ درکار ہے۔

اندازہ لگائیے کہ ایک شخص نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ پہلے مسجد کا رُخ کرتا ہے۔ وہاں جا کر وہ وضو کرتا ہے اور اس انتظار میں بیٹھ جاتا ہے کہ امام آئے اور اس کی اقتدا میں نماز ادا کی جائے۔ پھر وہ شخص مسجد میں اکیلا ہی

نہیں ہوتا درجنوں اور بھی افراد مسجد میں ہوتے ہیں جو مسجد میں داخل ہونے سے لے کر نماز کی ادائیگی اور پھر مسجد سے باہر نکلنے تک اسے دیکھتے ہیں گویا نماز ایک ایسی کھلی ہوئی عبادت ہے کہ اول تا آخر درجنوں افراد اس عبادت کے شاہد ہوتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات میں نماز ادا کرنے والے کا دل مکر و ریا سے خالی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مسجد میں دکھلاوے کے لئے گیا ہو۔ اس نے اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت محض اس لئے نکالا ہو کہ لوگ اسے نماز پڑھتے دیکھ کر اس کے متعلق اچھی رائے قائم کریں گے اور اس طرح وہ عوام کی نگاہوں میں نیک اور پرہیزگار ٹھہرے گا۔ اس آڑ میں وہ دوسروں سے مکر و فریب اور دھوکہ بھی کر سکتا ہے۔ اب نیت کا حال تو صرف خدا ہی کو ہے کہ نماز کی ادائیگی کے وقت نمازی کے دل میں خدا کا خوف کس قدر موجود ہے۔ وہ محض دکھلاوے کے لیے نماز پڑھتا ہے یا فی الواقعی وہ احساسِ فرض کے تحت اسلام کے ایک اہم رکن کی ادائیگی میں مصروف ہے۔ بہرحال یہاں خدا اور بندے کا معاملہ صرف نیت سے طے ہوتا ہے کیوں کہ اعمال کا دارومدار صرف نیت پر ہے۔

یہی حال حج کا بھی ہے۔ ایک شخص جب حج کا ارادہ کرتا ہے تو وہ تقریباً سال بھر پہلے اس کے لئے تیاری کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص مالی طور پر کمزور ہے تو وہ یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ وہ حج کے اخراجات کے لئے کچھ رقم جمع کر رہا ہے۔ وہ اپنے عزیز و اقارب کو اپنے اس نیک ارادے سے باخبر رکھتا ہے جب روانگی کا موقع آتا ہے تو ملنے کی رسم کے مطابق دوست و احباب اور رشتہ دار اسے بڑی محبت سے وداع کرتے ہیں۔ اہلِ محلہ، دوست و احباب

رشتہ دار کتنے ہی لوگ اس کے اس ارادے سے باخبر ہو جاتے ہیں ۔ پھر وہ قافلے کی صورت میں یا اکیلا ہی اس مقدس سفر پر روانہ ہوتا ہے تو وہ ایک خاص لباس زیب تن کرتا ہے جو حاجی کے لئے مخصوص ہے ۔ اس لباس کو دیکھ کر ہی ہر مسلمان پہچان سکتا ہے کہ وہ شخص فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جا رہا ہے ۔ سینکڑوں ، ہزاروں افراد اسے اس مقدس سفر پر جاتے ہوئے دیکھتے ہیں ۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مقدس سفر سے حاجی کا مقصد فی الواقعی سنتِ ابراہیمی کی ادائیگی ہے یا محض دکھلاوے اور مکر و ریا کے لئے کسی شخص نے یہ سفر اختیار کیا ہے یا اس سفر سے کوئی مالی منفعت اس کے پیشِ نظر ہے ؟ غرض یہاں بھی معاملہ نیت پر آ کر ختم ہو جاتا ہے اور نیت کا حال صرف خدا ہی جانتا ہے ۔

یہی حال زکوٰۃ کا ہے ۔ زکوٰۃ اسلام کا نہایت اہم رکن ہے ۔ اس کے بغیر نیک اور حلال کی کمائی بھی نجس اور حرام ہو جاتی ہے اور دولت بجائے خدا کی رحمت اور فضل ہونے کے ذریعۂ عذاب بن جاتی ہے ۔ اب اگر ایک شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس کے خلوص کو کہاں تک دخل ہے ۔ وہ خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے یا محض اپنے دل پر جبر کر کے اپنی کمائی کا ایک حصہ الگ کرتا ہے ۔ پھر جب وہ رقم کسی حاجت مند کو دیتا ہے ۔ تو کون جانے کہ وہ کس کو اپنا ممنونِ احسان کرنا چاہتا ہے یا اسے اس کا حق سمجھ کر دیتا ہے ۔ کیوں کہ اگر وہ کسی کو اپنا ممنونِ احسان کرتا ہے تو یہ ہرگز زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہو گی بلکہ اس نے اپنے نفس کے تفاخر کا سامان پیدا کیا ہے یا دوسروں

پر اپنی دولت کا رعب جمایا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس کا یہ فعل قطعاً عبادت میں شمار نہیں ہوگا۔ غرض روزے کے سوا جتنی عبادات ہیں۔ ان میں مکر و ریا کا شکار ہونا نہایت آسان ہے اور اس مکر و ریا کا پتہ چلانا انتہائی مشکل بلکہ بعض حالتوں میں انسان کے لئے ناممکن اور امر محال ہے۔ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ ان عبادات میں کسی انسان کے خلوص کو کتنا دخل ہے۔

اب آپ رمضان کی طرف آیئے۔ یہاں معاملہ ہی برعکس ہے۔ ماہِ صیام آیا تو ہر مسلمان نے جان لیا کہ اس نے ایک اہم عبادت کی ادائیگی کرنی ہے۔ ایک شخص سحری کے وقت اٹھتا ہے جو کچھ اسے میسّر آتا ہے کھا کر خدا کا شکر بجالاتا ہے۔ ضبطِ نفس کا یہ کتنا بڑا امتحان ہے کہ وہی کھانا جو انسان کسی بھی وقت کھا سکتا ہے۔ رمضان المبارک کی راتوں میں ایک مقررہ وقت کے بعد وہ اسے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے اس کے بعد وہ تمام دن نہ تو کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ حالانکہ اسے دیکھنے والا کوئی نہیں۔ وہ سات پردوں کے اندر اکیلا بیٹھا ہے۔ کھانے پینے کا تمام سامان اس کے پاس موجود ہے لیکن وہ کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ آخر کون سی چیز ہے جو اس کے کھانے پینے سے روکے ہوئے ہے۔ یہی نا کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے احکام پر پختہ ایمان اور کامل یقین رکھتا ہے۔ وہ اگر بند کمرے میں بیٹھ کر کچھ کھا پی لے اور باہر آکر کہہ دے کہ وہ روزے سے ہے تو کوئی انکار نہیں کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ وہ شدت کی بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے۔ لیکن وہ کسی سے یہ بھی نہیں کہتا کہ میں روزے سے ہوں۔ بلکہ وہ اپنے

نفس کو مطمئن رکھتا ہے کہ وہ اسلام کے ایک اہم اور بنیادی رکن کی ادائیگی کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا۔ اس حالت میں کہ ایک شخص کی خوبصورت بیوی اس کے پاس موجود ہے اسے دیکھنے والا کوئی نہیں، روزے کا تصور ہی اسے بیوی کے قریب جانے سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ضبطِ نفس کی جو تربیت روزہ فراہم کرتا ہے وہ دنیا بھر کی کسی عبادت یا قانون سے حاصل نہیں ہوتی ایک مقررہ وقت کے بعد جب افطار کا وقت آتا ہے تو وہ اشیاء جو ایک خاص وقت کے لئے روزے دار نے اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ پھر دائرۂ حلت میں داخل ہوگئیں۔ کھانا پینا سب جائز ہوگیا۔ بلکہ اب کھانے پینے میں تاخیر ہی نہیں ہونی چاہیئے۔ ادھر وقت پورا ہوا ادھر روزہ دار نے پرہیز کے تمام بند توڑ ڈالے اور خدا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔

---

# روزے کے تقاضے

قرآنِ حکیم نے روزے کا مقصد نہایت اعلیٰ و ارفع بیان فرمایا ہے ۔
قرآنِ حکیم کے الفاظ میں روزہ سے مسلمانوں کو متقی بنانا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ تقویٰ کی کیفیت اور حالت عارضی یا وقتی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک مستقل خصوصیت ہے جو جہدِ مسلسل سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص دن کو تو زاہد و متقی ہو تو رات کو اس کے اعمال اس کے زہد و اتقا کی نفی کرتے ہوں۔ یا ایک ماہ یا ایک سال تو کوئی شخص زاہد و متقی رہے اور بعد میں اس پر سے یہ رنگ اتر جائے اور وہ معاصی میں مبتلا ہو جائے۔ لہٰذا قرآنِ حکیم کا ارشاد اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ روزہ سے بندۂ مومن کے کردار اور اخلاق میں ایک ایسا انقلاب پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ بن جائے اور ہمیشہ کے لئے اطاعتِ خداوندی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے۔

انسان ایک کمزور اور جلد باز مخلوق ہے۔ خود قرآنِ حکیم نے اسے ظالم و جاہل ہونے کے علاوہ جلد باز بھی کہا ہے۔ پھر انسانی فطرت کی یہ کمزوری بھی ہے کہ وہ زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر کسی نہ کسی برائی کا مرتکب ہو ہی جاتا ہے اگر کبیرہ گناہ نہیں تو صغیرہ گناہ ہی آدمی سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ دنیا آزمائش

کی جگہ ہے۔ یہاں معاشرے نے قدم قدم پر برائیوں کے کانٹے بچھا رکھے ہیں۔ جن میں دامن اخلاق تار تار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ اخلاق و کردار اور نفس کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے جیسا جو احسانِ عظیم فرمایا اس کی افادیت نہ صرف عام ہو بلکہ مستقل بھی ہو۔ اخلاق و کردار کی اصلاح اور ضبطِ نفس کے لئے ماہِ رمضان ایک تربیتی کورس کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ کورس ہر مسلمان کو سال میں ایک مرتبہ پورا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی منشا یہ بھی ہے کہ اس تربیت کا اثر اس کے بندے پر کم از کم ایک سال تو رہے اور پھر آئندہ سال کے لئے وہ یہ تربیتی کورس مکمل کر کے اپنے آپ کو زاہد و تقدس سے آراستہ کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض سرکاری ملازموں کے لئے خاص پیشہ وارانہ تربیت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس تربیت کے حصول کے بغیر بعض سرکاری عہدے حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ ایک نو استاد کو — جے۔ وی، ایس۔ وی، سی۔ ٹی، اور بی۔ ٹی کی تربیت حاصل کرنا ہوتی ہے یہ تربیت حاصل کرنے کے بعد حکومت یا سرکاری محکموں کی نگاہ میں وہ شخص تربیت یافتہ شمار ہوتا ہے اور اسے تدریس کے پیشے سے وابستگی میں کوئی رکاوٹ یا مشکل پیش نہیں آتی۔ متعلقہ حکام بھی اس کی تربیت کا سرٹیفکیٹ دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اسے جو فرائض سونپے گئے ہیں وہ انہیں بخوبی ادا کرنے کا اہل ہے۔ لہٰذا اسے تدریسی فرائض سونپ دیئے جاتے ہیں۔ استاد نے دورانِ تربیت جو کچھ حاصل کیا ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ اپنے شاگردوں کو تیار کرتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے۔ ذرا سوچئے ایک استاد

ایک یا دو سال کی تربیت حاصل کی ہے۔ حکومت اور محکمہ تعلیم کی طرف سے اسے زندگی بھر پیشۂ تدریس اختیار کرنے کا اہل گردانا گیا نہ صرف اپنے ملک بلکہ دنیا کے کسی بھی ملک میں چلا جائے اس کی تدریسی اہلیت کو ہر جگہ تسلیم کیا جائے گا۔ یہ صرف ایک یا دو سال کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ پانچ یا دس سال کے بعد اساتذہ کے لئے ایک ہفتہ پندرہ دن یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے لئے ریفریشر کورس رکھا جاتا ہے۔ اس میں زیادہ تجربہ کار اساتذہ ان کے سامنے اپنے تجربات بیان کرتے ہیں۔ طریقہ ہائے تدریس میں جو تبدیلیاں کی گئی ہوتی ہیں ان سے اساتذہ کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ گویا حالات اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں تدریس کے طریقوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی اہلیت کی اصل بنیاد ان کی ابتدائی پیشہ وارانہ تربیت ہی سمجھی جاتی ہے۔ ریفریشر کورس اس تربیت کو تازہ کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ بالکل یہی حال ایک مسلمان کیلئے رمضان المبارک کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر سال ایک ماہ کے لئے ضبطِ نفس اور زہد و تقدس کی تربیت دیتے ہیں۔ اگرچہ اس تربیت کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ انسان پوری زندگی کے لئے یہ تربیتی کورس ایک مسلمان کو ہر سال پورا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایک استاد ایک سال یا دو سال کی تربیت حاصل کرنے کے بعد دنیا کے ہر ملک میں زندگی بھر کے لئے پیشۂ تدریس اختیار کرنے کا اہل سمجھا جانے لگتا ہے تو مقامِ افسوس ہے کہ ایک مسلمان ہر سال زہد و تقدس اور ضبطِ نفس کا ایک مہینے کا کورس مکمل کرنے کے بعد بھی مکمل انسان نہ بنے اور اس میں وہ اوصاف پیدا نہ ہوں جو اسلام اور قرآن ایک مسلمان میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حقیقت

میں یہی روزے کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان کی پوری کی پوری زندگی اسلام کے مطابق بسر ہو۔ گویا روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو مسلمان کو پوری طرح دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر فرض کی گئی۔ آپ اس حقیقت کا تجزیہ کیجئے کہ اگر ایک مسلمان ہر سال پوری پابندی کے ساتھ روزے رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر اس میں وہ اوصاف پیدا نہیں ہو پاتے۔ جنہیں ہم روزے نتائج اور اثرات سے تعبیر کرتے ہیں تو ہم ماسوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص نے اس عظیم عبادت کا مقصد و مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ اس نے اسے محض ایک رسم اور موروثی عقیدے کے طور پر پورا کیا۔ اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ اس کے تقاضوں کو نہیں سمجھا ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرمائے کہ ہم روزے کے ذریعے تمہیں متقی اور پرہیزگار بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم سالہا سال تک روزے رکھنے کے باوجود بھی زہد و تقویٰ سے محروم رہیں اور ہمارے اندر وہ اوصاف پیدا نہ ہو سکیں جو روزے کا منتہائے مقصود ہیں۔ اس حقیقت کو مزید ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص زہر کھاتا ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے زہر کی اتنی مقدار اس نے کھائی ہے۔ جو انسانی ہلاکت کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ ہلاکت تک نہیں پہنچا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے زہر نہیں کچھ اور کھا لیا تھا، یا یہ کہ وہ زہر ہی ناقص تھا جو ہلاکت کی صفت سے محروم ہو چکا تھا۔ نیز ایک شخص اگر تمام طبی اصولوں پر پوری طرح عمل کرتا اور اچھی خوراک استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ صحت مند نہیں تو ہم سمجھنے پر مجبور ہوں گے یا تو وہ کسی اندرونی مرض کا شکار ہے یا وہ ایسی غذا استعمال کرتا ہے جو خود اس

کی نگاہ میں تو صحت بخش ہے۔ لیکن دراصل وہ ناقص ہے یا اس کا طریقۂ استعمال ہی غلط ہو سکتا ہے۔ غرض کسی نہ کسی جگہ کوئی وجہ مل جائے گی۔ جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں گے کہ اس کی صحت پر خوراک اور غذا کا صحت بخش اثر مرتب کیوں نہیں ہوا۔ یہی حال روزے کا ہے۔ اگر ایک شخص پورا مہینہ روزے رکھتا ہے۔ لیکن اس میں وہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے۔ جو قرآن اور اسلام روزہ دار میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ فرما دیا ہے کہ ہم اس عبادت کے ذریعے تمہارے اندر یہ خوبی پیدا کرنے چاہتے ہیں۔ تو ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس مسلمان نے اس عظیم عبادت کا حق ہی نہیں ادا کیا۔ اس کے دل کی گہرائیوں نے اس عبادت کا مفہوم ہی نہیں سمجھا، بلکہ محض ایک موروثی عقیدے اور ناگزیر پابندی کے طور پر یا محض دنیا والوں کو دکھلاوے یا معاشرہ کے خوف سے اس نے روزہ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اس عبادت کا مقصد و مفہوم واضح کیا۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہیں بھوکا اور پیاسا رکھ کر قطعاً کوئی مسرت یا خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی مطلب یہ کہ روزے کا مقصد صرف یہی نہیں کہ ایک شخص دن بھر بھوکا پیاسا رہے اور وہ سمجھے کہ اس نے روزے کے فوائد حاصل کر لئے ہیں۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ قرآن تو مسلمانوں کو قدم قدم پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، بلکہ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے خدا کی آیات پیش کی جاتی ہیں تو وہ اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ بلکہ تفکر و تدبر سے کام لیتے ہیں۔ اس پر سوچ بچار کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے قدم قدم پر دعوت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآن ۝

کیا یہ لوگ غور و فکر نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ سوچتے نہیں۔

تو گویا اسلام یہ چاہتا ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے اسلامی تعلیمات پر خوب غور و فکر کرو اور ان کی تہہ تک پہنچ جاؤ۔ جب ہمیں کسی حقیقت کا پوری طرح یقین ہو جائے تو پھر ہی اس پر صحیح طریقے سے اور پختہ عقیدے کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے۔ ایسا عمل ہی اپنے اثرات بھی دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے علم و یقین کو ایمان کے لئے بنیاد قرار دیا ہے۔

تو گویا اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ روزے کے وہ اثرات ہم پر مرتب نہیں ہوئے جو ہونے چاہیئے تھے۔ ہمارے اندر وہ اوصاف پیدا نہیں ہوئے جو قرآن اس عبادت کے ذریعے ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو پھر ہمیں اس خامی اور غلطی کی نشاندہی کرنی پڑے گی۔ اور جب تک اس غلطی کی اصلاح نہیں ہو جاتی ہماری یہ عبادت محض رائیگاں جائے گی اور قرآن کے مصداق ہمارا روزہ محض بھوک، پیاس تک ہی محدود ہوگا۔ اسے عبادت کے زمرے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ یہ بہت بڑی محرومی اور بدقسمتی ہے۔ اور آج مسلمانوں کی اکثریت اس محرومی کا شکار ہے

# دعوتِ فکر

یہ امر ایک مسلمان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ جب وہ سالہا سال تک مقررہ وقت پر روزے کا اہتمام کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ اس تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفت سے محروم رہ جاتا ہے۔ جس کا تقاضا قرآن مجید نے کیا ہے۔ یہاں ہمیں قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ پر غور کرنا ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے تمہیں بھوکا، پیاسا رکھنا قطعاً مقصود نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزے ایسی عظیم الشان عبادت اور دینی فریضہ کی ادائیگی کے باوجود ایک مسلمان تقویٰ اور پرہیزگاری کے اس مقام پر نہیں پہنچا جو اس کا تقاضا تھا۔ پھر اس نے روزے کی ادائیگی کا حق ہی ادا نہیں کیا۔ بلکہ وہ صرف بھوکا پیاسا رہا اور اس کی عبادت سے منشائے خداوندی پوری نہیں ہوئی۔

ہمیں یہاں یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ روزہ صرف ایسی چیز کا نام نہیں کہ ایک شخص وقتِ مقررہ پر سحری کا شاندار اہتمام کرے۔ پھر وہ تمام دن بھوکا پیاسا رہے۔ یہاں تک کہ موسم کی نرمی سختی کا بھی مقابلہ نہ کرے۔ بلکہ اپنے معمولات بھی ترک کر دے اور تمام دن کسی گوشۂ تنہائی میں آرام سے پڑا رہے۔ پھر افطار کا اہتمام کرے اور دن بھر کی بھوک پیاس کی کسر افطار کے

وقت نکال دے۔

ظاہر ہے کہ روزے کا یہ مقصد ہرگز نہیں اور اگر کسی مسلمان نے اپنے ذہن میں روزے کا صرف یہی مفہوم متعین کر رکھا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہے پھر اس پر ہی اکتفا نہیں بلکہ اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر اس کے دوسرے تقاضے پورے نہیں کرتا تو وہ واقعی قرآن حکیم کی زبان میں محض بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔

فرض کیجئے کہ ایک تاجر ہے وہ روزے سے ہے۔ لیکن جب وہ اپنا کاروبار شروع کرتا ہے تو دیانت و امانت کے تمام تقاضوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ لیکن وہ تول میں کمی بیشی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا روزہ بھوک پیاس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ ناپ تول میں کمی بیشی تو ایک ایسا جرم ہے۔ جس کی پاداش میں حضرت شعیب علیہ السلام کی امت کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا تھا۔ پھر اگر کوئی شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ روزے سے ہے تو وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے تو روزے کے تمام تقاضوں کو ہی چھوڑ رکھا ہے۔ پھر وہ یہ کیوں کر امید کر سکتا ہے کہ روزہ ایسی شاندار عبادت اس کے اندر وہ اوصاف پیدا کرے گی۔ جن کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے۔

اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولتا ہے اور اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے حکم خداوندی پورا کر دیا ہے اور دینی فریضہ کی ادائیگی مکمل کر دی تو وہ بھی غلط بیانی سے کام لیتا ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف تو اس نے ایک

ایسا کام کیا۔ جس کے نتیجے میں اسے متقی اور پرہیزگار ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن ایسا بالکل نہیں ہوا۔ کیوں ؟

اس لئے کہ اس شخص کی مثال تو ایک ایسے مریض کی سی ہے۔ جسے ڈاکٹر تشخیص کے بعد ایک دوائی دیتا ہے اور مرض کی نوعیت کے اعتبار سے ڈاکٹر اسے تاکید کر دیتا ہے کہ وہ بعض اشیاء سے سخت پرہیز کرے۔ کیوں کہ ان کا استعمال مرض کی شدت کو کم کرنے کی بجائے اس میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔ مریض ڈاکٹر سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کی بتائی ہوئی نصیحت پر پوری طرح عمل کریگا اور جن جن اشیاء کا استعمال اسے ترک کرنے کی ہدایت کی گئی ہے انہیں وہ ہرگز استعمال نہیں کرے گا۔ لیکن جونہی وہ معالج کے مطب سے دوائی لے کر گھر پہنچتا ہے۔ دوائی کے استعمال سے قبل ہی وہ پرہیز کے تمام بند توڑ دیتا ہے۔ وہ ممنوعہ اشیاء ترک کرنے کی بجائے دوائی کے ساتھ ساتھ ان کا استعمال بھی جاری رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے معالج کی دوا سے فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ ہلاکت کا سامان پیدا کرے گا۔ ایسے مریض کی اس بدپرہیزی کو دیکھ کر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یا تو اسے معالج پر قطعاً اعتبار نہیں یا یہ کہ اسے صحت و تندرستی عزیز نہیں وہ صحت کی قدر و قیمت سے بالکل بے گانہ اور ناآشنا ہے۔ وہ تندرست ہونا ہی نہیں چاہے گا۔

یہی حال اس روزہ دار کا ہے جو روزہ تو رکھتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے روزے کے جو تقاضے بتائے ہیں ان سے منہ موڑ لیتا ہے قرآن حکیم کا تو یہ ارشاد ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس عبادت کے ذریعے ہم تمہارے اندر زہد و تقویٰ ایسے

اوصاف پیدا کریں ۔ اور زندگی کی تمام آلائشوں سے تمہیں پاک کر دیں ۔ لیکن روزہ دار کرتا یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد جب وہ کاروبار زندگی کا آغاز کرتا ہے تو ہر قسم کی اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی اقدار سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے ۔ وہ اگر کہیں سے گذرتا ہے تو اس کی نگاہیں راہ چلتی عورتوں کا پیچھا کرنے لگتی ہیں ۔ بجائے اس کے کہ وہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں پہلی نگاہ کی فروگذاشت کے بعد اپنے آپ کو سنبھالے اور نگاہ کا تقدس برقرار رکھے ۔ اس کے اندر نفسانی خواہشات کا طوفان امڈ آتا ہے اور وہ خواہشات کے اس طوفان کا رُخ اپنے زہد و تقدس سے بدلنے کی بجائے اس میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا ہے ۔ اس کے باوجود وہ یہ کہتا ہے کہ میں روزے سے ہوں ۔ اگر وہ کہیں دوستوں یا گھر والوں میں بیٹھتا ہے تو چغلخوری اور غیبت ایسے گناہ کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے ۔ وہ دوستوں یا عزیزوں یا اپنے مخالفین پر الزام تراشی کرتا ہے اور ان سے ایسی غلط باتیں منسوب کرتا ہے ۔ جو ان میں ہرگز نہیں ظاہر ہے کہ چغلی اور غیبت ایسی برائی کے بعد روزہ دار ہونے کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے ۔ کیوں کہ قرآن حکیم کا ارشادِ گرامی تو یہ ہے کہ چغلی کرنا گویا اپنے ہی مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے ۔ اس سے زیادہ مکروہ فعل اور کیا ہو سکتا ہے ۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ چغل خور شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا ۔ اگر ایسا شخص یہ کہے کہ اس نے روزے کے تقاضوں کو پورا کر دیا تو ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں گے ۔ اس لئے کہ اس نے تو محض اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھنے ہی کو روزے کا منتہائے مقصود سمجھ لیا ۔ اور یہ نہ جانا کہ روزے کی بدولت

اس کے اخلاق و کردار میں اللہ تعالیٰ جو زہد و تقدس اور تقویٰ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چغلی اور غیبت سے باز رہے۔

ایک شخص وہ ہے جو روزہ دار ہے۔ لیکن دوسرے مسلمان بھائیوں کو الٹے سیدھے ناموں اور القابات سے پکارتا ہے۔ وہ کسی بھی مسلمان بھائی کا صحیح نام نہیں لیتا۔ بلکہ تمسخر کے طور پر ان کے ایسے ایسے نام رکھتا ہے جن کا ان کے اصلی ناموں سے کوئی تعلق نہیں۔ ظاہر میں تو یہ معمولی سی بات ہے۔ لیکن ذرا قرآن حکیم کو اٹھا کر دیکھئے، وہ تو عام حالات میں بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ دیکھنا تم آپس میں ایک دوسرے کے نام بگاڑا نہ کرو اور کہا کہ ایک شخص روزے کی حالت میں ہو اور پھر وہ قرآن حکیم کے اس حکم کی نافرمانی کرے۔ ہم کیونکر تسلیم کر لیں گے۔ کہ اس شخص نے روزے کے تقاضے پورے کر دیئے ہیں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوا۔ اس کے بعد ہم ازخود یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس شخص کے کردار میں وہ بلندی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی جو روزے سے پیدا ہونی چاہیئے تھی۔ روزہ ایسے شخص پر کوئی اثر نہیں چھوڑ سکتا۔ فی الواقعی ایسے شخص نے روزہ نہیں رکھا۔ بلکہ قرآنِ حکیم کے مطابق وہ تو صرف بھوکا پیاسا رہا اور اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔

روزہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص اسراف کا مظاہرہ کرتا ہے اور حلال طریقے سے کمائی ہوئی دولت کو غلط کاموں پر خرچ کرتا ہے تو اس نے بھی روزے کا احترام تو کیا روزے کی حدود کو ہی توڑ ڈالا۔ اس لئے کہ قرآن حکیم تو عام حالت میں اسراف کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ تم کھاؤ اور پیو اور اسراف

سے باز رہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ بلاشبہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں جو شخص شیطان کے بھائی ہو اس کے روزے کی کیا حقیقت ہو گی۔

ایک شخص کسی دفتر میں ملازم ہے۔ وہ روزہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ بہانا بنا کر کہ روزے کی وجہ سے اپنے دفتری فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ مالک نے جن فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کی ایک خاص تنخواہ مقرر کر رکھی ہے۔ وہ ان میں کوتاہی برتتا ہے۔ مالک سے جس قدر معاوضہ لیتا ہے اتنا کام نہیں کرتا۔ دفتر میں بے کار بیٹھ کر وقت گذار دیتا ہے اور مؤقف یہ اختیار کرتا ہے کہ روزے کی بنا پر اس میں نقاہت پیدا ہو گئی ہے اور وہ روزمرّہ کے فرائض کی ادائیگی سے معذور ہے۔ ایسے شخص کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس نے روزے کا فلسفہ ہی نہیں سمجھا۔ روزہ تو مسلمان کی زندگی میں سخت کوشی، محنت اور صبر و تحمل ایسے اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے وہ تو عسکری زندگی کی تربیت دیتا ہے۔ وہ تو مسلمانوں کو زندگی کی سختیوں، مصائب اور تکالیف جھیلنے کا عادی بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ زندگی کے تمام حوادث پر قابو پا سکیں اور حالات کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا خیال بھی ان کے ذہن میں نہ آئے۔ لیکن جو روزہ دار روزے میں تساہل، کم ہمتی اور سستی کا مظاہرہ کرکے اپنے آپ کو آرام طلب بناتا ہے۔ وہ تو روزے کے فلسفے کی تکذیب کا مرتکب ہوتا ہے۔ پھر ہم یہ کیوں کر تسلیم کر لیں کہ وہ روزہ دار ہے اور اس نے روزے کے تقاضے پورے کر دیئے ہیں۔ جب کہ وہ روزہ رکھ کر فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو کر رزقِ حلال کی بجائے رزق حرام پر گزارہ کرتا ہے۔

اس لئے کہ بغیر کام کئے اس نے مالک سے جو معاوضہ وصول کیا۔ وہ ہرگز رزقِ حلال میں شمار نہیں ہوگا اور جب وہ رزقِ حلال سے محروم رہا تو اس کی تمام عبادت بے کار اور بے سود ہوگی اور بارگاہِ خداوندی میں اسے شرفِ قبولیت بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شخص روزہ رکھنے کے باوجود جھوٹ بولتا ہے یا دوسروں سے جو وعدہ کرتا ہے اس پر قائم نہیں رہتا بلکہ وعدہ خلافی کرتا ہے تو اسے روزے کا فائدہ کیوں کر پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

تم جو وعدے کرتے ہو انہیں پورا کرو کیوں کہ ان کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا

ایک شخص کی نگاہ میں وعدہ خلافی خواہ کتنا معمولی سا گناہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن قرآن حکیم نے اس پر سختی سے پابند رہنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی جو تین علامتیں بتائی ہیں ان میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ جو بات کرتا ہے اسے پورا نہیں کرتا۔ یعنی وعدہ خلافی کرتا ہے وہ بدزبان بھی ہوتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بعد ان تینوں باتیوں میں سے کسی ایک برائی کا بھی مرتکب ہوتا ہے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق منافقین کے زمرے میں شامل ہوگا۔ اب ایسے شخص کو روزے کا فائدہ کیا پہنچ سکے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآنِ حکیم

نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہیں بھوکا پیاسا رکھنا ہرگز مقصود نہیں۔ ایسے لوگوں کو جنہوں نے روزے کے تقاضوں کو نہ سمجھا اور نہ ہی ان پر عمل کیا۔ روزے سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ایسے لوگ تو دین کی تضحیک کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص روزہ رکھ کر بد عہدی کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، کم تولتا ہے، بدزبانی کرتا ہے، دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے۔ اس کے ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں بلکہ وہ دوسروں کے لئے باعث اذیت ہے۔ وہ حقوق العباد کو فراموش کرتا ہے۔ انسانی اقدار کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ دوسروں پر شفقت اور رحم نہیں کرتا۔ امانت اگر اس کے پاس رکھی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے روزہ رکھا اور اس کا ثواب حاصل کریگا تو یہ محض اس کی خوش فہمی ہے کیوں کہ اس نے روزہ تو رکھا لیکن قرآن حکیم کے الفاظ میں اس کے روزے کی صرف اتنی حیثیت ہے کہ وہ صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہا اور بس! جہاں تک روزے کے تقاضوں کا تعلق ہے انہیں اس نے بالکل پورا نہیں کیا۔ پس ایسے شخص کا نہ روزہ ہوا اور نہ ہی اسے اس کا کوئی ثواب یا اجر حاصل ہوگا۔

قرآن حکیم کی آیت کے اس حصہ پر پھر ایک مرتبہ غور کیجئے۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے دوسری قوموں کی طرح تم پر بھی روزے نازل کئے۔ اور ان روزوں کا مقصد یہ بتایا

"تاکہ تم خدا سے ڈرنے لگو یعنی پرہیزگار ہو جاؤ۔ متقی بن جاؤ۔"

اندازہ لگایئے کہ قرآن حکیم تو اس عبادت کے ذریعے ہمیں ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچانا چاہتا ہے۔ جہاں پر شاید مرغِ تخیل کی بھی رسائی نہیں۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ پورا ماہ ہر سال روزے رکھنے کے باوجود بھی تحت الثریٰ میں پڑے رہتے ہیں۔ تو ثابت یہ ہوا کہ اگر ہم روزے کے تقاضے پورے نہیں کرتے تو اس سے وہ فوائد بھی ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ جن کا ذکر قرآن حکیم اور احادیثِ مقدسہ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کتنے دل نشین انداز میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ اگر کوئی عام شخص کسی ملازم یا ماتحت کو یہ کہہ دے کہ تم فلاں کام کر دو اور رہا اُجرت کا معاملہ تو اس کی تم فکر نہ کرو۔ تم یہ کام صرف میرے لئے کر رہے ہو میں تمہیں اس کی اجرت اتنی دوں گا جس کا تم تصور بھی نہ کر سکو گے تو ماتحت یا ملازم دنیا بھر کے کام کاج چھوڑ کر ہر چیز کو فراموش کر کے دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کام کو انجام دینے میں منہمک ہو جائے گا۔ صرف اس لئے کہ اسے ایک آدمی نے زبانی زبانی یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ مقررہ اجرت سے زیادہ اجرت دے گا۔ جو ظاہر ہے کہ چند سکوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ ایک دنیادار انسان کا وعدہ ہے جو نامعلوم اپنے وعدے پر کاربند بھی رہتا ہے یا نہیں، یا اگر وہ اجرت دیتا تو اتنی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نے جھوٹا وعدہ کیا تھا یا محض شیخی بھگاری تھی۔ غرض اس میں سو قسم کے وسوسے ہو سکتے ہیں۔ لیکن اندازہ لگایئے کہ ان خطرات اور اندیشوں کے باوجود انسان اس کام کو انتہائی سرعت، احتیاط اور جانفشانی سے انجام دے گا۔ یعنی ایک دنیاوی مالک

ار

کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تو انسان اتنا کچھ کر گذرتا ہے۔ لیکن حیرت اس بات پر کہ اس ذاتِ باری کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو اس زمین و آسمان کی خالق، پوری کائنات کی مالک اور انتہائی رحیم و کریم ہونے کے ساتھ ساتھ وعدے کی انتہائی پابند ہے ہم اس کی خوشنودی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک ایسی عبادت کے تقاضوں کو انسان بھول جائے اور اس کے لئے تضحیک کا سامان پیدا کر دے۔ جس کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کا یہ ارشاد ہو کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو میرے لئے انتہائی پسندیدہ ہے اور اس کا اجر میں ہی دوں گا، کہنے کا یہ خاص انداز ہے جسے دل کی عشق و مستی سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ بدقسمتی اور بدبختی کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ہی ہم اعتبار نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم روزے کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ جن کے بغیر روزے کا حق ہی ادا نہیں ہوتا تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر اعتبار نہیں جس میں اس نے اپنی بے پایاں رحمت و بخشش کا پُرجوش انداز میں اظہار فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ ہمارے ایمان میں بھی ضعف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے عظیم الشان وعدے کے بعد بھی اگر ہم اس کی رحمت و بخشش سے عمداً اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں تو پھر اس حقیقت سے انکار کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ ہمارے ایمان ضعیف ہیں۔ ان میں وہ پختگی اور استحکام نہیں جو اسلام ایک صحیح اور سچے مسلمان میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اب یہ سوچئے کہ ایمان میں استحکام اور عقیدے میں پختگی

کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔ دراصل ایمان کی بنیاد دو باتوں پر ہوتی ہے۔ اول علم اور دوسرا یقین۔

علم و یقین کے بغیر ایمان کے استحکام اور مضبوطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہی دو اوصاف ہیں جو ہم کو ایمان کے استحکام کی دولت بخشتے ہیں۔ روزے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بھی ہمیں ایمان کی انہی دو بنیادوں پر انحصار کرنا ہوگا۔ اول یہ کہ ہم روزے کی حقیقت کا علم حاصل کریں۔ قرآنِ حکیم نے اس عبادت کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے اسے سمجھیں اور اس پر غور کریں اور اس کی حقیقت و اصلیت تک ذہنی رسائی حاصل کریں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ روزے کا حقیقی علم حاصل کریں۔ روایتی علم تو ہمیں گھر اور معاشرے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن آج ہمارے گھروں اور معاشرے کی جو حالت ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان صرف روایتی اور نام کا مسلمان رہ گیا ہے اور اسلام کی حقیقت سے بڑی حد تک بے خبر ہے۔ جب ہمارے اندر روزے کی حقیقت و اصلیت کا صحیح علم پیدا ہو جائے گا تو اس کے بعد ہی ہمارے اندر وہ غیر متزلزل یقین پیدا ہوگا جو ہمیں اس بات پر مجبور کرے گا کہ اگر ہم روزہ رکھتے ہیں تو اس کے ان تقاضوں کو بھی پورا کریں جن کا تقاضا قرآن حکیم ہم سے کرتا ہے۔ صرف اسی وقت ہم یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے روزہ رکھنے کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے روزہ رکھا اور محض بھوکے پیاسے نہیں رہے۔ جب ہم اس طریقے سے روزہ رکھیں گے تو ہم دیکھیں گے کہ روزہ ہمارے اخلاق و کردار پر وہ اثرات چھوڑے گا۔ جن کا مشاہدہ کم از کم ہمیں آج کے برائے نام اسلامی معاشرے

میں نظر نہیں آتا۔ اس وقت ہم صحیح معنوں میں قرآن حکیم کے الفاظ میں روزے رکھ رہے ہوں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کے بھی مستحق ہوں گے جن کا وعدہ اس نے فرمایا ہے۔ اس وقت روزہ ہمارے اندر وہی تقویٰ وہی زہد وہی پرہیزگاری اور خوف پیدا کرے گا۔ جس کا ذکر قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے اور ہم قرآنِ حکیم کی آیات کے مصداق بن جائیں گے کہ " ہم نے تم پر دوسری قوموں کی طرح روزے نازل کیے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ "

---

# روزے کے تقاضے کس طرح پورے ہو سکتے ہیں

اس بحث کا اصل مقصد یہ ہوا کہ روزے کے تقاضے صرف اس طرح پورے ہو سکتے ہیں کہ مکمل طور پر ایسے کام سے پرہیز کریں جس کا شمار برائی کے زمرے میں ہوتا ہے۔ اگر ہماری زبان کسی کی غیبت کرتی ہے تو اسے روک دیں کیونکہ غیبت تو بہرحال عام حالت میں بھی نہایت بُرا فعل ہے۔ اور اس پر قرآن حکیم نے سخت وعید سنائی ہے۔ ہماری زبان سے کوئی ایسا کلمہ ادا نہیں ہونا چاہیئے جو اخلاق سے گرا ہوا ہو یا جس سے کسی کے جذبات مجروح ہوں۔ گویا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری زبان کا بھی روزہ ہے۔ لازم ہے کہ ہمارے ہاتھ سے کسی کو گزند نہ پہنچے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

اگر ہم اپنے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بنا لیں تو سمجھ لیجیئے کہ ہم نے روزے کا ایک تقاضا پورا کر دیا۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر ہمارا روزہ صرف ہماری بھوک پیاس تک محدود رہا۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے پاؤں بھی کسی غلط منزل کی طرف نہیں اٹھنے چاہیئں۔ اگر ہم کسی ایسی جگہ چل کر

جاتے ہیں۔ جہاں اخلاق سے گری حرکات کا ارتکاب ہوتا ہے یا جہاں شرم وحیاء سے گذر کر لوگ افعال کا صدور کرتے ہیں تو بھی ہم روزے کے تقاضے ادا کرنے سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا روزہ رکھ کر اس پر بھی ہمیں قابو رکھنا ہوگا کہ ہمارے قدم کسی ایسے مقام کی طرف نہ اُٹھیں جہاں جانا کہ گویا روزے کے تقاضے کے ہی منافی ہو۔

روزہ نگاہوں کی شرم کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ اگر کوئی روزہ دار گھر میں بیٹھ کر یا بازار میں چلتے ہوئے نگاہوں کو شرم وحیاء سے محروم کر دیتا ہے تو جان لیجیے کہ اس نے روزے کے تقاضے پورے نہیں کیے۔ عام حالت میں بھی صرف اچانک کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑنا تو معافی کے زمرے میں شمار ہو سکتا ہے لیکن دوسری مرتبہ عمداً اٹھی ہوئی نظر زنا کے دائرے میں انسان کو پہنچاتی ہے۔ اس لیے کہ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو انسان کو دوسری مرتبہ اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ وہ کسی غیر محرم کو دیکھے۔ تو اگر عام حالت میں یہ امر ناجائز ہے تو خاص کر روزے کی حالت میں تو اس کی اور بھی پابندی ہونی چاہیئے۔ لہٰذا نگاہوں کی شرم وحیاء بھی روزے کا ایک تقاضا ہے۔ جو ایک روزہ دار کو پورا کرنا چاہیئے۔

بعض لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں۔ لیکن نماز کے قریب تک نہیں جاتے، یہ سمجھیے کہ ایسے لوگ بھی روزے کے تقاضوں سے محروم رہتے ہیں۔ نماز کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "نماز دین کا ستون ہے۔" قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے: "بلاشبہ نماز برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔" اس کے علاوہ قدم قدم پر قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر دین کے اتنے اہم رکن کو ہی ادا

نہیں کرتا۔ وہ یہ دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس نے روزے کا ثواب حاصل کر لیا ایسا شخص یقیناً ثواب سے محروم رہے گا اور اس کے اخلاق و کردار میں بھی انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا جو روزہ ایک صحیح مسلمان کے کردار میں پیدا کرتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن حکیم کے الفاظ میں وہ پرہیزگار نہیں بن سکتا۔ روزہ بالکل ایک انفرادی عبادت ہے۔ لیکن نماز تو ایک اجتماعی عبادت ہے۔ جو اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ پس یہ امر لازمی ہے کہ اگر ہم روزے کے تقاضوں کو سمجھتے اور ان پر ایمان رکھتے ہیں تو روزے کے ساتھ ساتھ نماز کی ادائیگی کا بھی پورا پورا اہتمام کریں۔

جیسا کہ پہلے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ روزے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے اندر صبر و استقلال ایسی عادات پیدا کرے اور زندگی کی سختیاں برداشت کرنے کا عادی ہو جائے گویا روزہ مسلمانوں کو سخت کوشی کی زندگی گزارنے کا عادی بناتا ہے۔ لہٰذا اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ روزہ رکھ کر اگر کوئی شخص تمام دن گھر کے اندر بے کار بیٹھا رہتا ہے تو وہ بھی روزے کا مقصد پورا نہیں کر رہا۔ اس دور میں اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کوئی فارغ البال شخص روزہ رکھتا ہے تو وہ روزمرہ زندگی کی سرگرمیاں ترک کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ دو قدم پیدل چلنا بھی اپنے لئے مصیبت خیال کرتے ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ مسلمانوں نے اسلام کے تحفظ و بقا کے لئے زندگی کا پہلا معرکہ اس حالت میں لڑا کہ وہ نہ صرف روزے سے تھے بلکہ انتہائی گرمی کا موسم تھا۔ عرب کی گرمی کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔ پس

اگر یہ مقصود ہوتا کہ روزہ رکھ کر انسان آرام کی زندگی بسر کرے تو اللہ تعالیٰ مٹھی بھر بے سرد سامان مسلمانوں کو کبھی اس کٹھن آزمائش میں نہ ڈالتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آج ہم بھی روزہ رکھ کر زندگی کی سرگرمیاں پورے جوش اور جذبہ سے جاری رکھیں اور روزے کو تساہل پسندی کا ذریعہ نہ بنالیں۔ ورنہ اس عبادت کا اہم ترین مقصد فوت ہو جائے گا۔

بعض لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی آسائشیں وافر مقدار میں فراہم کر رکھی ہیں۔ وہ ماہِ رمضان کے دوران اپنے روزمرہ کے مصارف میں کافی حد تک اضافہ کر دیتے ہیں۔ اگر مصارف کا یہ اضافہ اس لئے ہو کہ اس سے دوسرے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو یہ ایک نہایت ہی مستحسن اقدام ہے۔ مثلاً یہ کہ مساجد میں افطاری کا اہتمام کیا جائے، غرباء اور مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔ ان کے لئے سحری کا انتظام کیا جائے بلاشبہ یہ بہت بڑی نیکی ہے اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت عمدہ ہوگا۔ لیکن اگر مصارف کا سارا اضافہ اپنی ذات ہی کے لئے ہو یا محض نمود و نمائش کی خاطر فضول خرچی سے کام لیا جائے تو یہ نہایت غلط بات ہے۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

"کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی مت کرو۔"

قرآنِ مجید اسراف کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیتا ہے۔ لہٰذا اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی آسائشیں وافر مقدار میں عطا کی ہیں وہ فضول خرچی کا شکار نہ ہوں بلکہ ان کی دولت اچھے اور مفید کاموں پر صرف ہو۔ جن سے عام مسلمانوں کو

فائدہ پہنچے ۔

روزے ایسی عظیم الشان عبادت کی فضیلت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دین کا یہ اتنا عظیم رکن ہے کہ اگر کوئی مسلمان پورے اہتمام کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرے تو وہ قرآنِ حکیم کی اس آیت کا عملی نمونہ بن جاتا ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے :

" اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ "

روزہ ایک مسلمان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی زبان پر کنٹرول رکھے ۔ اس کی زبان سے کوئی ایسا جملہ ادا نہ ہو ۔ جس سے کسی دوسرے کے جذبات مجروح ہوں ۔ روزہ مسلمان کو اس امر کا پابند کرتا ہے کہ وہ کسی کی چغلی اور غیبت نہ کرے ۔ روزہ رکھ کر کوئی شخص وعدہ خلافی نہیں کر سکتا ۔ کیوں کہ یہ بات روزے کے تقاضے کے منافی ہے ۔ روزہ رکھ کر کوئی مسلمان ناپ تول میں کمی بیشی نہیں کر سکتا ۔ کیوں کہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ روزہ نہیں رکھ رہا ۔ بلکہ محض بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کر رہا ہے ۔ روزہ رکھ کر کوئی مسلمان بے حیائی کا کوئی کام نہیں کر سکتا ۔ یہاں تک کہ اسے اپنی نظروں کی بھی حفاظت کرنی پڑتی ہے ۔ روزہ رکھ کر یہ بھی لازم کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نماز کا بھی پورا پورا اہتمام کیا جائے ۔ کیونکہ نماز تو کسی حالت میں بھی معاف نہیں اور خاص کر روزہ رکھ کر تو اس فرض کی ادائیگی اور بھی لازم آجاتی ہے ۔

---

# روزے کے فوائد

یوں تو اسلام کا کوئی حکم بھی حکمت و دانائی اور لاانتہا فوائد سے خالی نہیں۔ لیکن روزے ایسا اسلام کا بنیادی رکن تو اپنے اندر خاص طور پر حکمت و دانائی اور دینی و دنیوی فوائد کی ایک ایسی دنیا لئے ہوئے ہے۔ جسے قلمبند کرنے کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں اجمالاً ان فوائد کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن کا جاننا ایک عام مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

## ضبطِ نفس کی تربیت:

روزہ ایک ایسی عظیم اور افضل عبادت ہے جو مسلمانوں کے اندر ضبطِ نفس کا جذبہ پیدا کرکے انہیں خود اپنے اوپر اپنا نگران مقرر کرتا ہے۔ ضبطِ نفس کی تربیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ ایک مسلمان جب روزہ رکھ لیتا ہے تو وہ اپنے اوپر ایک وقت مقررہ تک ہر حلال چیز کو بھی ممنوع قرار دے دیتا ہے دنیا جہاں کی نعمتیں اگر اس کے سامنے رکھ دی جائیں اور اسے دیکھنے والا بھی کوئی نہ ہو تو بھی وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ حسین و خوبرو بیوی پاس موجود ہے اسے دیکھنے والا کوئی نہیں لیکن روزہ اسے اس امر

کا پابند بنا دیتا ہے کہ وہ ایک وقت مقررہ تک منکوحہ بیوی کو چھو بھی نہیں سکتا۔ گویا روزے کے ذریعے ایک مسلمان اپنے جذبات اور نفسانی خواہشات پر احسن طریقے سے قابو پانا سیکھ لیتا ہے۔

دنیا کا کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کے سامنے خواہشات نفسانی پر قابو پانے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر ضابطہ اور قانون پیش نہیں کر سکا — روزہ دار اپنے آپ کو ہر برائی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس عظیم عبادت کے ذریعے مسلمانوں کے اخلاق و کردار میں جو انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے اور محسوس کر سکے۔ تو روزہ کا اولین فائدہ تو یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کو ہمہ پہلو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ گویا برائیوں کے خلاف روزہ ایک ڈھال ہے۔ اس فریضے کی ادائیگی سے پوری ملّتِ اسلامیہ بے مثال نظم و ضبط اور مثالی اخلاق و کردار کی مالک بن جاتی ہے — ایسا ضبطِ نفس جس کا تقاضا عسکری زندگی کی بنیاد ہے۔

ضبط نفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات و جذبات پر اس حد تک قابو پائے۔ کہ انہیں بے لگام نہ ہونے دے اور یہ دونوں انسانی قوت فیصلہ کے پوری تابع ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اس وقت تک کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک اسے اپنے جذبات اور خواہشات پر پورا پورا قابو حاصل نہ ہو۔ اگر خواہشات و جذبات کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو ایک انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ اور بالآخر انسان خواہشات و جذبات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص خود اپنی

خواہشات وجذبات کے دام میں پھنسا ہوا ہو وہ تو مجبور و بے بس ہو گا۔
اور دنیا میں کوئی کارہائے نمایاں انجام دینے کی توقع ایسے شخص سے نہیں رکھی جا
سکتی جو اپنے جذبات وخواہشات پر قابو نہ پا سکے وہ دوسروں پر کس طرح دسترس
اور قابو حاصل کر سکے گا۔ ایسا کمزور انسان دنیا میں ناکامی و نامرادی کی زندگی ہی
بسر کر سکتا ہے۔ دنیا میں جن لوگوں نے زندگی کے بڑے بڑے معرکے سر کیے اور
عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ وہ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی خواہشات اور
جذبات کو اپنا محکوم بنا رکھا تھا نہ ان کے محکوم بن کر رہے تھے۔ اسلام مسلمانوں
سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ پہلے خود خدائے واحد کی مرضی کے تابع ہو جائیں، اور
قانونِ خداوندی کی اطاعت کو اپنا شعار بنالیں۔ اس کے بعد اپنی تمام خواہشات
اور جذبات کو اپنے تابع بنالیں۔

انسان کے اندر دو مطالبے بڑی شدت رکھتے ہیں۔ پیٹ کا مطالبہ اور خواہشات
نفسانی کا مطالبہ، پیٹ کے مطالبے کو بہر طور اولیت حاصل ہے۔ پیٹ کا مطالبہ
انسانی زندگی کے قیام و بقاء کا ضامن ہے۔ جب کہ خواہشات نفسانی، نسلِ
انسانی کی بقاء کی بنیاد بنتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو انسانی جسم کے دونوں مطالبے
عین فطرت کے مطابق ہیں۔ اگر انہیں جائز حدود کے اندر رکھا جائے تو زندگی
نہایت حسین اور توازن بدوش رہتی ہے۔ لیکن اگر انہیں کھلی چھٹی دے دی جائے
تو زندگی توازن سے محروم ہو جائے گی۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ضبطِ نفس کی
بجائے انسان محض اپنی خواہشات اور جذبات کا غلام بن جاتا۔

روزہ انسان کی انہی دونوں خواہشات کو حدِ اعتدال میں رکھتا اور ان پر اپنی

گرفت مضبوط بنا کر انہیں توازن پرور بناتا ہے۔ ضبطِ نفس کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہوگی کہ صبح سے لے کر شام تک انسان حلال اور جائز طریقے سے بھی اپنی دونوں خواہشات پوری کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اسلام اس ضبطِ نفس کا صرف یہ مطلب نہیں لیتا کہ بس رمضان المبارک میں ہی ان خواہشات کو قابو میں رکھا جائے اور باقی گیارہ مہینے انہیں بے لگام چھوڑ دیا جائے۔ دراصل اس ایک ماہ کی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد بھی انسان اپنے آپ اسی طرح قابو رکھے اور وہ اپنی ہر خواہش اور مطالبے کو اسلام کی حدود کا تابع بنائے۔ دراصل ضبطِ نفس کی یہی وہ تربیت ہے جس کی بدولت مسلمانوں میں قرآن حکیم کا وہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے جسے روزے کا مقصدِ وحید قرار دیا گیا ہے۔

---

# ایمان بالغیب کی تربیت و استحکام

اسلام میں ایمان بالغیب مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس لئے کہ آج تک کوئی انسان جسمانی آنکھوں سے ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کر سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی منوانے کے لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور انسان کو دعوت غور و فکر دینے کے لئے مظاہر فطرت کو پیش کر دیا۔ قرآن حکیم نے بار بار غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں پر غور کرو، یہ کس کی تخلیق ہے۔ کہیں بارش، ہوا اور پانی پر غور و فکر کی دعوت دے کر ایک منطقی انداز میں انسان کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا آخر کوئی تو ہے اور ظاہر ہے کہ خالق اپنی تخلیق سے پہچانا جاتا ہے۔ پس جس نے اتنے بلند پہاڑ، اتنے وسیع سمندر، اتنا بڑا آسمان، سورج، چاند اور ستارے پیدا کئے۔ وہ خود کتنی قوت و حکمت کا مالک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننے کا یہ استقراری طریقہ ہے تو جب ایک شخص ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا اقرار کرتا ہے۔ تو گویا وہ ایمان بالغیب کی تصدیق کر دیتا ہے۔ یعنی خدا کو نہ دیکھتے ہوئے بھی اس کی ہستی پر ایمان لاتا ہے، اور اس کے احکام بجا لانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ روزہ بھی ایمان بالغیب میں استحکام

پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے اس بنیادی عقیدے کو مضبوط تر بناتا ہے کیونکہ جب وہ روزہ رکھ لیتا ہے تو باوجود اس کے اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ وہ سات پردوں کے اندر بھی برائی کرنے سے بچتا ہے۔ کیوں؟۔ صرف اس لئے کہ اس کا ایمان یہ ہے کہ اسے اگر کوئی انسان دیکھ نہیں رہا تو ایک برتر ہستی ایسی بھی ہے جس کی نگاہوں سے بچنا محال ہے۔ خواہ کس قدر اخفا سے کام لیا جائے۔ اس کی نگاہ سے بچا نہیں جا سکتا۔ یہ احساس خود اپنی جگہ کتنا عظیم ہے کہ خود انسان اپنی ذات کو اپنے اوپر نگران مقرر کر لیتا ہے اور ہر برائی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ اگر یہ احساس صرف ماہ رمضان کے مبارک دنوں تک ہی مسلمان اپنے لئے محدود نہ کریں۔ بلکہ ماہ رمضان المبارک کے بعد بھی اپنی پوری زندگی پر اس کا احاطہ کر لیں اور ہر لمحہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کے ہر قول و فعل کو دیکھنے والی ایک برتر ہستی ان کے اوپر موجود ہے تو ہمارا معاشرہ جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔

---

# قوّتِ برداشت اور صبروتحمّل کی تربیّت

قوتِ برداشت اور صبرو تحمل پیدا کرنے کے لئے روزہ ایک نہایت مؤثر ہتھیار کا کام دیتا ہے۔ صبح سے شام تک روزہ دار اپنے آپ کو ایک الگ تھلگ دنیا میں محدود کر لیتا ہے۔ اسے شدید پیاس محسوس ہوتی ہے۔ لیکن وہ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرتا اور اسے برداشت کرتا ہے۔ اسے بھوک لگتی ہے مگر وہ کھانے کے قریب تک نہیں جاتا۔ کوئی آدمی اس سے بداخلاقی سے پیش آتا ہے تو وہ انی صائم کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ اسے اگر کسی کے ہاتھ سے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ یہ کوشش کرتا ہے کہ اس سے صرف نیک اعمال سرزد ہوں اور کوئی ایسا فعل نہ کرے۔ جس سے روزے کے تقاضے مجروح ہوں۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں موسم کی سردی گرمی برداشت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رزق حلال کمانے کے لئے روزمرّہ کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ تو گویا روزہ اس کے اندر انتہائی قوتِ برداشت اور صبرو تحمل کو جنم دیتا ہے جو انسانی زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار ہیں۔

---

# معاشرتی ذمّہ داریوں کا احساس

رزق کی کمی بیشی کا معاملہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ
"میں جسے چاہتا ہوں بے حساب رزق دیتا ہوں"
بعض اوقات انسان حالات کا شکار ہو کر معاشی طور پر تنگدست اور مفلوک الحال ہو جاتا ہے۔ رزق کی تنگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر بھی پیش آسکتی ہے۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں رزق کی تنگی کو آزمائش بھی کہا گیا ہے روزہ رکھنے سے انسان جو بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے۔ اس سے انسان کے اندر یہ احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ معاشرے کے وہ مفلوک الحال لوگ جو اکثر معاشی طور پر پریشان رہتے ہیں اور جنہیں رزق کی تنگی درپیش رہتی ہے ان پر کیا گزرتی ہوگی۔ یہ احساس ہی اپنی جگہ بڑا عظیم اور مفید ہے۔ اگر انسان کے اندر دوسروں کے لئے ہمدردی کا مادہ موجود ہے تو وہ یقیناً اس احساس کے تحت ان کی مشکل میں ان کے کام آنے کے لئے تیار رہے گا۔ گویا روزہ انسان کو ایک اہم معاشرتی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے بھی تیار کرتا ہے۔ اس طرح انسان کو غریب، مفلس اور نادار لوگوں کی احساس ہوتا ہے۔ وہ فاقہ کشوں کی حالت کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خود انسان اپنے آپ کو

مشکل وقت کے لئے بھی تیار کر لیتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت انسان کو برے حالات کا شکار ہونا پڑے یا کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہ کم از کم اتنا عادی ضرور ہوتا ہے کہ اگر اسے ایک وقت کا فاقہ بھی آ جائے تو اسے آسانی سے برداشت کر لیتا ہے۔

---

# عسکری زندگی کی تربیّت

جیسا کہ پہلے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے کہ روزہ مسلمانوں میں عسکری زندگی کے کئی پہلوؤں کو ابھارتا ہے۔ اسلام مسلمانوں کو خدا کے سپاہی دیکھنا چاہتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے خلاف ہر وقت اپنے آپ کو تیار اور چوکس رکھیں۔ کیوں کہ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاریاں ازل سے جاری ہیں اور پھر ابد تک جاری رہیں گی۔ حق و باطل کے معرکے ہوتے رہیں گے۔ مسلمان اور اسلام دشمن قوتوں میں تصادم ناگزیر ہے۔ نیکی اور بدی اسلام اور کفر کی دو علامتوں کے طور پر آپس میں متصادم ہیں۔ یہ کش مکش لامتناہی ہے۔ جس کے لئے ہر مسلمان کو مجاہدانہ زندگی کا عادی بننا ضروری ہے۔ میدانِ جنگ پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ ایک سپاہی کو انتہائی کٹھن زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ اسے کئی کئی دن فاقہ بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ سونے کے لئے زمین کے سوا کچھ میسّر نہیں آتا۔ بعض اوقات دشمن کے نرغے میں آکر کئی کئی روز تک کے لئے پانی اور خوراک سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ جنگ جاری ہو تو کھانے کی کسے ہوش رہتی ہے۔ غرض ایک سپاہی میدانِ جنگ میں جو تکالیف اٹھاتا ہے ان میں بھوک پیاس کو بھی بڑا دخل ہے۔ جو شخص

ان مصائب اور تکالیف کا عادی نہ ہو۔ اسے میدانِ جنگ کے تصوّر ہی سے کپکپی آنے لگتی ہے۔ لیکن اسلام کا مسلمانوں پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہر مسلمان کو سال بھر میں ایک ماہ کا ایسا تربیتی کورس فراہم کر دیا کہ اسے مزید کسی تربیت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ میدانِ جنگ میں جو سختیاں پیش آسکتی ہیں، اسلام مسلمانوں کو ان سختیوں کے لئے ان کے گھروں میں ہی تربیت کے مواقع فراہم کر دیتا ہے۔

جنگ کے دوران سپاہی گھروں سے دور رہ کر ازدواجی زندگی کی لذت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اپنے آپ پر جنسی اعتبار سے قابو پانا بھی عسکری زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ اگرچہ یہ تربیت صرف اسلامی اخلاق پیش کرتا ہے۔ غیر مسلموں کے نزدیک اس کی کبھی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ روزہ دار جنسی خواہشات پر بھی قابو پانا سیکھ لیتا ہے۔ اس طرح عسکری تربیت کا یہ پہلو بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ پس روزے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی بدولت مسلمانوں میں عسکری زندگی کے مصائب اور حوصلہ شکن حالات کا پامردی سے مقابلہ کرنے کی روح اور جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ انسان سخت کوشی کی زندگی گذارنے کا عادی بن جاتا ہے۔ اسے بھوک، پیاس اور فاقہ کوئی تکلیف نہیں دیتا۔ روزہ دار ایمان بالغیب پر یقین رکھتے ہوئے روزے کے دوران اللہ تعالیٰ کے جن احکام کو بجا لاتا ہے۔ اس سے مسلمان کے اندر اطاعت امیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خدائی احکام بجالانے سے خدا کی اطاعت انسان کو اطاعتِ امیر کے لئے تیار کرتی

ہے۔ کیوں کہ جس طرح انسان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی نہایت برتر ہے۔ کچھ ایسا ہی تصور عسکری زندگی میں ایک عام سپاہی اور امیر لشکر میں منصب اور حکم کے لحاظ سے فرق کا ہوتا ہے۔ پس اپنے سے اعلیٰ اور برتر کی اطاعت کا سبق بھی ہمیں روزے کی بدولت حاصل ہوتا ہے جو عسکری زندگی کا بنیادی اور نہایت اہم اُصول ہے۔

---

# رُوحانی ارتقاء

یوں تو اسلام کی تمام تعلیمات ہی رُوحانی ترقی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ لیکن رمضان المبارک میں خاص طور پر روحانی ارتقاء کے ایسے مواقع حاصل کر سکتا ہے جو عام حالات میں ذرا مشکل سے میسر آ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائی صفحات میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ کم خوری روحانی ترقی کے لئے نہایت اہم ہے۔ چنانچہ نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی روحانی ارتقاء کے لئے کم خوری کو قدر مشترک کی حیثیت حاصل ہے۔ صوفیائے کرام کو چھوڑ کر خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل غارِ حرا میں عبادت کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ خورد و نوش کا نہایت معمولی سامان ساتھ لے جاتے تھے۔ صوفیائے کرام روحانی ارتقاء کے لئے مندرجہ ذیل عوامل و عناصر کو بنیاد کے طور پر پیش کیا ہے۔

## کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن

نیند کا تعلق خاص طور سے کھانے پینے کے ساتھ ہے۔ اگر انسان ٹھونس کر پیٹ بھر لے تو خوراک کا نشہ اور غنودگی عبادت کے لئے سدِّ راہ بن جاتی ہے اور روح کی لطافت کثافت میں بدل جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اطمینانِ قلب کے

ساتھ عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ عبادت گذار حضرات ہمیشہ کم خوری کی عادت پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رمضان المبارک میں جب کہ انسان کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور پاؤں تک کا روزہ ہو۔ یعنی وہ کوئی کام بھی اسلام کے خلاف نہ کرے اور اس پر کم خوری کے ذریعے روحانی لطافت بھی اسے حاصل ہو تو روحانی ارتقاء کے لئے یہ کیسا نادر موقع ہو گا۔

## بد عادات ترک کرنے کے مواقع

روزہ چونکہ ضبطِ نفس کی تربیت کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان پورے خلوص اور نیک نیتی سے روزے رکھنے شروع کر دے تو یہ ایسا مبارک مہینہ ہے کہ اس میں ہر بری عادت سے مستقل طور پر نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ مثلاً سگرٹ نوشی، شراب اور اسی نوع کی دوسری بری عادات کے شکار افراد آسانی سے اپنی عادات ترک کر سکتے ہیں۔ ایک ماہ تک اگر انسان کسی عادت سے خواہ بامر مجبوری ہی دستکش ہو جائے تو پھر مشکل ہی سے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

## صحت و تندرستی

کم خوری صحت و تندرستی کی بھی ضامن ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن اپنے پیٹ کے تینوں حصوں کو نہیں بھرتا۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیئے کہ ابھی اسے کھانے کی خواہش باقی ہو کہ وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لے۔ دراصل طب کا یہ ارفع و اعلیٰ اصول ہے کہ اگر اس پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو ہمارے طبی مسائل بڑی حد تک حل ہو سکتے ہیں کہ خود انسان بہت کم امراض کا شکار ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تندرست و توانا زندگی کا صحیح

لطف اٹھاتا ہے۔ کیوں کہ ہماری اکثریت کم خوری کے اصول کی پابند نہیں اور عام انسان اس پابندی کو بہت کم سمجھتے اور اسے اپنے لئے لائحہ عمل بنانے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام نے مسلمانوں کے لیے بابرکت مہینہ رکھ دیا۔ سال بھر انسان کھانے پینے کے معاملے میں جو بے احتیاطی اور غفلت برتتا ہے۔ رمضان المبارک میں اس کی بڑی حد تک آسانی کے ساتھ تلافی کی جا سکتی ہے اور معدے اور جگر کو آرام کا اتنا موقع مل جاتا ہے کہ سال بھر اس پر جو غیر ضروری بوجھ ڈالا جاتا ہے اس کا کسی حد تک ازالہ ہو جاتا ہے اور یوں ایک مسلمان رمضان المبارک کی بدولت ہی صحت و تندرستی کا صحیح لطف محسوس کرتا ہے۔

## اجتماعی نیکی

رمضان المبارک کا ایک فائدہ اسلامی معاشرہ کو یہ بھی ہوتا ہے کہ پوری کی پوری قوم انفرادی نیکی اور بھلائی سے ہٹ کر اجتماعی نیکی اور بھلائی میں مصروف ہو جاتی ہے اور معاشرہ کے اندر پاکیزگی اور حسن کی ایک روح افزا فضا پیدا ہوتی ہے۔ پوری قوم ایک ہی وقت روزہ رکھتی ہے ایک ہی وقت پر افطار کرتی ہے اور ایک ہی وقت پر نماز تراویح ادا کی جاتی ہے۔ گویا پوری ملّتِ اسلامیہ ایک عظیم الشان اجتماعی عبادت میں مصروف ہو جاتی ہے۔ یوں پورے معاشرہ میں نیکی کا ایک ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور اگر اس سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جائے اور اس ایک ماہ کی روحانی تربیت کے اثرات کو تا دیر قائم رکھنے کا اہتمام کر لیا جائے تو یہ ایک ماہ کی تربیت سال بھر کا باقی عرصہ نیکی کی فضا کو دوام بخش سکتی ہے۔

# روزے کے آداب

۱۔ روزے کے آداب میں احساس کو اولیت حاصل ہے۔ یعنی ایک مسلمان کو روزہ رکھتے وقت دل کی گہرائیوں سے اس بات پر ایمان ویقین رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم بجا رہا ہے اور اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

۲۔ روزے کا خیر مقدم ہر مسلمان کو پورے جوش وخروش سے کرنا چاہیئے۔ ایک معزز مہمان اگر گھر میں تشریف لائے تو اس کی آمد پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک بھی مسلمانوں کے لئے ایک معزز مہمان کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پورے جوش وخروش اور خلوص کے ساتھ اس مبارک مہینہ کا خیر مقدم کرے۔

۳۔ روزے پورے اہتمام سے رکھے جائیں اور پوری خوش دلی کا مظاہرہ کیا جائے۔ یہ نہیں کہ بددلی کے ساتھ روزہ رکھا جائے اور پھر بھوک پیاس کی تکلیف کا رونا رویا جائے۔ بغیر عذر شرعی کے روزہ قضا نہ کیا جائے۔

۴۔ روزہ کی حدود صرف پیٹ تک ہی نہ ہوں بلکہ جسم کے تمام اعضاء آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کا بھی روزہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ روزے کے اصلی مقاصد پورے ہوسکیں۔

# رمضان المبارک کی وجہ تسمیہ

لفظ رمضان کے معنی کیا ہیں ؟ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ رمضان اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے ۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے ۔ حضرت امام جعفر صادق رضؓ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے ۔ اصمعیؒ نے روایت کی ہے کہ ابو عمرؒ نے کہا کہ اس مہینے کا نام رمضان کا مہینہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس مہینے میں گناہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں ۔ بعض اہلِ لغت نے کہا ہے کہ رمضان کا لفظ رمض سے مشتق ہے اور رمض کے معنی ہیں ایسی بارش جو موسم خریف میں ہوتی ہے اس موسم میں خریف کی فصل کو بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے اور عرب میں صرف ایک خریف ہی کی فصل ہوتی ہے اس لئے اس مناسبت سے بھی اسے رمضان کا نام دیا گیا ہے ۔ گویا رحمت کی یہ بارش جہاں انسانوں کو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک صاف کرتی ہے ۔ وہاں نیکیوں کی فصل کو بھی بارآور کرتی ہے ۔

# لیلۃ القدر

روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے تو بعض صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ پہلی امتوں کے لوگوں کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں۔ وہ خوب جی بھر کر عبادت کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے دور میں عمریں بہت کم ہوگئی ہیں۔ اس طرح پہلی امتوں کے لوگ ہم سے زیادہ ثواب حاصل کریں گے

اس پر سورۂ قدر کا نزول ہوا اور مسلمانوں کو یہ خوش خبری سنائی گئی کہ تمہیں اس پر ملول اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ایک رات ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اس رات کا مرتبہ و مقام ایک ہزار مہینوں سے زیادہ افضل اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ وہ رات بھی رمضان المبارک کی فضیلت کو بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس رات کی عبادت کے متعلق قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ یہ عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ اسی رات فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور طلوع صبح تک اس رات کی فضیلت اور برکت جاری رہتی ہے۔

# روزہ اور نزولِ قرآن

ماہ رمضان کی فضیلت اور برکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ آخری اور اکمل آسمانی کتاب جسے اب روزِ ابد تک انسان کے لئے ہدایت کا فریضہ انجام دینا ہے وہ اس مقدس مہینے میں نبی کریمؐ پر نازل ہونا شروع ہوئی۔ خود قرآنِ حکیم نے اپنی زبان میں اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآنِ حکیم نازل ہوا (بقرہ)

قرآنِ حکیم کی زبان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وحی مقدس کا نزول رات کے وقت ہوا۔

"ہم نے قرآنِ حکیم کو ایک برکت والی رات میں نازل کیا (دخان)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔

"ہم نے قرآنِ حکیم کو لیلۃ القدر (یعنی برکت والی رات) میں نازل فرمایا"۔ گویا رمضان المبارک کے تقدس و احترام اور شوکت وعظمت میں نزولِ قرآن کا بھی ایک اہم حصہ ہے۔ یہ پورا مہینہ اسلام کی عظمت اور سربلندی کا مظہر ہے کیوں کہ اسی مہینہ میں نبی کریمؐ کو اللہ تعالیٰ نے وہ ضابطۂ حیات عطا فرمایا جو قیامت تک کے لئے پوری نوعِ انسانی کے تمام مسائل کا جامع اور اکمل حل اپنے اندر رکھتا

ہے اور جس کی موجودگی میں نوعِ انسانی کو کسی دوسری ہدایت ، کسی دوسرے دستور کسی دوسرے ضابطہ کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوسکتی اور پھر یہ ضابطہ اور دستور اتنا محفوظ و مامون ہے کہ قیامت تک کے لئے اس ذاتِ باری نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے یوں ذہنِ انسانی کو شکوک و شبہات کے کانٹوں سے بھی نجات مل گئی ہے۔ اس کتاب مقدس کی یہ حیثیت ہی دراصل اس کے مخالفین کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے۔ ایک ایسا چیلنج جسے آج تک کسی کو قبول کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوسکی ۔

## نزولِ رمضان کا فلسفہ

ماہِ رمضان کے روزے ہجرت کے بعد فرض ہوئے ۔ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے تو مسلمان قریش مکہ کے معاشی استحصال کا بھی شکار تھے۔ لیکن جب وہ مدینہ منورہ پہنچے اور انہیں امن وسکون کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اب مسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کا دور شروع ہونے والا تھا۔ فتوحات اور کامیابیوں کے ساتھ جو معاشی آسودگیاں میسر آتی ہیں ان سے لازمی طور پر انسان تعیش، آرام طلبی اور نفسانی خواہشات میں الجھ سکتا ہے۔ اس سے قبل مسلمان نماز کے خوگر اور عادی بن چکے تھے۔ آئندہ مسلمانوں پر مالی اور اقتصادی اعتبار سے خوش گوار وقت آنے والا تھا۔ لہٰذا خوش حالی اور فارغ البالی میں نفس کے احتساب اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کے لئے رمضان المبارک کا نزول

ہواء اور نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کرنے اور مسلمانوں میں تقویٰ اور بلند ترین روحانی اقدار پیدا کرنے کے لئے ایک ایسا نسخہ دے دیا گیا جو بے مثال اور ناثیر و عمل کے اعتبار سے بے خطا ہے۔

## مراعات

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں کسی جان کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ یعنی کسی انسان پر اس کی ہمت اور استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے بندوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے اور اپنی مخلوق کو کسی ابتلاء میں ڈال کر خوش نہیں۔ لہٰذا رمضان المبارک کی فضیلت اور تقدس واضح کرنے کے بعد کچھ مراعات کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

"تم میں جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ بعد میں روزے پورے کرے۔"

گویا مریض اور مسافر دونوں کے لئے یہ رعایت رکھ دی گئی ہے کہ وہ روزہ قضا کر سکتے ہیں۔ بعض کمزور اور ضعیف افراد دن بھر بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ قرآن حکیم نے انہیں بھی رعایت دے دی ہے اور انہیں کہا کہ وہ کسی ایک غریب اور مستحق شخص کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے۔ ان مراعات سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ روزہ سے اللہ تعالیٰ کا مقصد انسانوں کو محض بھوکا اور پیاسا رکھنا نہیں بلکہ ان کے اندر

تقویٰ اور پرہیزگاری ایسا جوہر پیدا کرنا مقصود ہے۔ اگر مقصد یہ نہ ہوتا تو کبھی بھی بیمار اور مسافر اور کمزور شخص کو وہ مراعات نہ دی جاتیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ روزے کی جس شدت سے تاکید کی گئی ہے اس سے اس کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

" اور جو اس مہینہ (یعنی رمضان المبارک) کو پائے تو وہ مہینہ بھر روزے رکھے۔"

## روزہ میں اصلاحات

قرآن حکیم انسانوں کے لیے آسان بنا کر بھیجا گیا۔ اور دین اسلام کی شکل میں انسانوں کو جو دستور دیا گیا وہ بھی نہایت سادہ انسان اور قابلِ عمل ہے۔ اس میں کہیں بھی انسانوں پر بے جا سختی اور ان کے لیے مشکلات کا تصور موجود نہیں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا پھر فرمایا کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں ٹھہراتے۔ اسلامی اسلامی عبادت میں ایک یکسانگی اور مساوات ملتی ہے۔ روزہ ایسی افضل عبادت تمام مردوں اور عورتوں پر فرض کر دی گئی۔ ورنہ اسلام سے قبل یونان میں صرف عورتیں روزہ رکھتی تھیں۔ آج بھی ہندو مت میں صرف برہمن روزہ رکھتے ہیں اسلام سے قبل امتوں پر جو روزے فرض کیے گئے تھے وہ کسی حالت میں بھی کسی شخص کو معاف نہیں تھے۔ بیمار اور بوڑھے بھی کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے لیکن اسلام نے نوعِ انسانی کے لیے جو دستور پیش کیا۔ اس میں اس امر کا بطور خاص خیال

رکھا گیا کہ کسی شخص پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ عورتیں ایامِ حمل اور رضاعت کے دنوں میں روزے سے مستثنیٰ ہیں۔ بیمار اور مسافر روزے قضا کر سکتے ہیں۔ اسلام سے قبل بعض قومیں جو روزہ رکھتی تھیں تو وہ چالیس چالیس گھنٹے بھوک اور پیاس برداشت کرتی تھیں۔ بعض قوموں میں روزہ کے اوقات یہ تھے۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد پھر اگلی شام کو کھانا کھایا جاتا۔ روزے کے دنوں میں دن رات میں کسی بھی وقت اپنی عورتوں سے مباشرت تو کجا انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اگر کھانا کھانے سے قبل کوئی سو جاتا تو پھر وہ کھانا بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ بلکہ اسے کھائے پئے بغیر روزہ رکھنا پڑتا تھا۔ اسلام نے مسلمانوں پر سے یہ پابندیاں ختم کر دیں۔ اب مسلمان روزہ افطار کر کے رات کو حقوقِ زوجیت بھی ادا کر سکتے ہیں اور روزے کے اوقات میں بھی اس حد تک کمی کر دی گئی ہے جسے ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکتا ہے روزہ میں چونکہ اکل و شرب پر مکمل پابندی ہوتی ہے۔ لیکن اگر بھول کر روزہ دار کچھ کھا پی لے بلکہ اگر سیر ہو کر بھی کچھ کھا لیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیوں کہ روزے کا مقصد اپنے آپ کو ایک خاص ضابطے کا پابند بنانا ہے اور روزہ دار روزہ رکھتے وقت جب اس فرض کی ادائیگی کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اسلام نے بھول چوک کو معاف کر دیا۔

---

# اعتکاف

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل غارِ حرا میں جا کر مصروفِ عبادت رہتے تھے۔ کئی کئی روز کا سامان خورد و نوش آپ ساتھ لے جاتے اور وہاں یک و تنہا اپنے پروردگار کی یاد میں محو رہتے۔ حالانکہ اس وقت آپ کو مبعوث نہیں فرمایا گیا تھا۔ لیکن تلاش حق کے لئے جو تجسس طبیعت میں موجود تھا وہ آپ کو مجبور کرتا تھا کہ دنیا کی آلائشوں اور ہنگاموں سے دور کہیں کنج خلوت میں اس معبودِ حقیقی کو تلاش کیا۔ دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی تنہائی میں عبادت اور ریاضت کا تصوّر موجود ہے۔ آپ اسی غار میں محو عبادت تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بعثت کی خوش خبری سنائی اور جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے۔ گویا تنہائی کی ریاضت و عبادت کا تصوّر اعتکاف میں ملتا ہے۔ بعثت کے بعد آپ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے اور عبادت و ریاضت میں زبردست اضافہ ہو جاتا تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نزولِ قرآن کی ساعت بھی رمضان المبارک کے آخری عشرے میں طاق راتوں میں ہے۔ لیلۃ القدر کا تصور اعتقاد ۲۷ ویں شبِ رمضان میں پایا جاتا ہے۔ بعض آثار احادیث سے ثابت ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں دعا قبولیت کا

شرف حاصل کرلیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مسلمانوں کو فراغت اور عبادت و ریاضت کا ذوق و شوق بخشا ہے۔ وہ آج بھی رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھتے ہیں اور اس طرح اس مقدس مہینے کے آخری دس روز دنیاوی آلائشوں اور خواہشات سے مکمل طور پر کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہ کر روحانی بلندی اور ارتقاء کا راستہ تلاش کرتے ہیں بلاشبہ یا مقصد فاقہ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل یاد سے انسان کے اندر وہ ملکوتی اوصاف جنم لیتے ہیں جو بندے کو اپنے پروردگار کے زیادہ سے زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔

---

# نمازِ تراویح

قرآنِ حکیم اور احادیث میں روزے کا مقصد بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا گیا ہے اور رمضان المبارک کے فلسفے کا محور و مرکز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں میں تقویٰ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تقویٰ ایسا کہ انسان ہر گناہ سے صرف اس لئے بچے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے تاکہ جزا و سزا کا تصور انسانی ذہن کے پردوں پر پوری مضبوطی سے نقش ہو جائے۔ تقویٰ کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی دراصل انسان کو گناہوں اور دنیاوی آلائشوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کو جس قدر زیادہ یاد کرے گا۔ وہ اسی قدر اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ہوتا چلا جائے گا۔ اور وہ جس قدر اللہ تبارک تعالیٰ کا قرب حاصل کرے گا۔ اسی قدر وہ گناہوں سے بچے گا اور دین مبین کے بتائے ہوئے راستے پر زیادہ تیزی اور استقامت سے گامزن رہے گا۔ لہذا رمضان المبارک میں جہاں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بھوک و پیاس کی شدت برداشت کرنیکا عادی بنا کر انہیں اس کارگاہ عالم کی کش مکش میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے تیار کرنا چاہتا ہے۔ وہاں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ میرے بندے زیادہ سے زیادہ میرے قریب رہیں اور نماز کی پابندی اپنا شعار بنالیں۔ نماز کی ادائیگی ان پر

گراں نہ گزرے۔ لہٰذا رمضان المبارک میں تراویح کا اہتمام اسی چیز کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ قرآنِ حکیم میں نمازِ تراویح کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن تمام آثار و شواہد اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تراویح ادا فرمائی اور اس کی ادائیگی کو بے حد پسند فرمایا۔ لیکن دوسری نمازوں کی طرح اس کے وجوب کا حکم اس لئے صادر نہیں ہو سکا کہ چونکہ انسان فطرتاً آرام طلب ہے اور دیگر نمازوں کی طرح تراویح بھی فرض نمازوں میں شامل ہوتی تو عدم ادائیگی کی صورت میں ایک مسلمان شاید روزے کے ثواب سے بھی محروم رہ جاتا۔ بہرحال نمازِ تراویح رسولِ خدا کی سنت اور رمضان المبارک کی پسندیدہ عبادت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے سنت موکدہ کا درجہ حاصل ہے۔ خلفائے راشدین نے باجماعت اس کا اہتمام کیا۔ پہلے مسلمان فرداً فرداً نمازِ تراویح ادا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک رات جب مسلمانوں کو فرداً فرداً نمازِ تراویح پڑھتے دیکھا تو سب کو ایک امام کی اقتدا میں جمع کر دیا اور اس طرح اس نماز کو باجماعت اہتمام حاصل ہو گیا۔ علماء اور آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ احادیث کا بھی کثرت کے ساتھ اس تعداد پر اتفاق ہے اور اہلِ سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے۔ جس پر وہ صدیوں سے قائل و قائم چلے آ رہے ہیں۔ نمازِ تراویح میں ایک مرتبہ قرآن حکیم ختم کرنا سنتِ موکدہ کا درجہ رکھتا ہے۔ تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے اگر سب لوگ چھوڑ دیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔

---

# رمضان المبارک کی فضیلت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رمضان المبارک میں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے۔ دراصل یہ اس ماہ کے تقدس اور بزرگی و فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس ماہ کی فضیلت یہ کہہ کر بیان فرمائی کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔" مقصد یہ ہے کہ گناہوں کی بخشش خطاؤں کی معافی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور بخششوں کے حصول کے لئے اس مہینے کو دوسرے تمام مہینوں پر ایک خاص برتری اور فضیلت حاصل ہے لہٰذا جو خوش نصیب بھی اس ماہ مقدس میں عبادت و ریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اس کی رحمتیں اور بخششیں طلب کرے گا اپنا گوہر مقصود حاصل کرلے گا۔ پھر اسی ماہ میں وہ بابرکت رات بھی ہے۔ جسے قرآن حکیم نے ہزار مہینوں سے افضل و برتر قرار دیا ہے۔ یہی رات نزولِ قرآن کی رات ہے اور جملہ علماء و آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ رات رمضان المبارک کی ۲۷ ویں رات ہے۔

رمضان المبارک کی فضیلت اور برکت کے متعلق یہاں چند احادیث درج

کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کرام اندازہ لگا سکیں کہ یہ عبادت اللہ تعالیٰ کو کس قدر محبوب اور اس کا درجہ کس قدر زیادہ ہے۔

بخاریؒ و مسلمؒ میں حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو ایمان کے ساتھ حصولِ ثواب کے لیے روزہ رکھے گا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ ایک سپر ہے اور دوزخ کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ایک دن کے نفلی روزے کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اگر تمام زمین کو سونے سے بھر دیا جائے تو بھی وہ ایک روزے کے ثواب کا اجر نہیں ہو سکتا۔ اس کا ثواب تو قیامت کے دن ہی ملے گا۔ نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔ بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے۔ ارشاد ہوا کہ روزہ کو لازم کر لو۔ اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔ میں نے تین مرتبہ ہی عرض کی اور تینوں مرتبہ ہی جواب ملا۔ کہ روزہ کے برابر کوئی عمل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

رمضان المبارک کی ایک اور اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ اس مبارک مہینہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی پر سب سے بڑا احسان بھی اسی مہینہ میں کیا۔ اور اسلام ایسا انقلابی دین بھی اسی ماہ میں

نوع انسان کی بھلائی کے لئے دنیا میں آیا۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دنیا بھر کے انسانوں کو اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ گویا اسی مبارک مہینہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اعلان ہوا۔ یہ اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اسی ماہ میں نوع انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے مکمل و اکمل ضابطہ حیات کا نزول فرمایا جس کی مثال ازل سے لیکر ابد تک پیش نہیں کی جا سکتی۔ بعثت رسول ؐ کے ساتھ نوع انسانی کے شعور کی پختگی اور اس کے انتہائی ارتقار کا دور بھی شروع ہوا اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی مکمل ہو گئی۔ گویا کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہو گیا۔

---

# روزہ کے متعلق اہم مسائل

سب سے اہم مسئلہ نیت ہے۔ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ نیت دراصل کسی کام کے کرنے کے عزم کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ روزہ رکھتے وقت بھی ہر روزہ دار کو نیت کرنی پڑتی ہے۔ کھانا یا سحری کھا چکنے کے بعد نیت کرنا لازم ہے۔ جمہور علماء اور فقہا کا قول ہے کہ اگر کسی نے بدنیت سے روزہ رکھا تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ اگر دوپہر سے قبل نیت کر لی جائے تو روزہ ہوگا۔ اگر آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا اور نیت نہیں کی جاتی، تو ایسی حالت میں روزہ نہیں ہوگا۔ نیت کے الفاظ یہ ہیں :۔

نویت ان اصوم غداً للہِ تعالیٰ من فرض رمضَانَ

روزہ رکھنے کے لئے سپیدی سحر نمودار ہونے تک سحری کھائی جا سکتی ہے۔ افطار تک اگر کسی بھی وقت بھول چوک کر کچھ کھا لیا جائے بلکہ اگر سیر ہو کر بھی کھا لیا لیکن جونہی یاد آیا کہ میں روزہ سے ہوں تو ایسی حالت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ روزہ کا مقصد محض بھوکا پیاسا رہنا نہیں اور نہ ہی اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بلاوجہ بھوکے اور پیاسے رہیں۔ دراصل روزے کا اصل مقصد جب پورا ہوتا ہے تو اس کے تمام

تقاضے پورے کئے جائیں اور اس کے تقاضے یہ ہیں کہ انسان کی نگاہ سماعت وبصارت زبان ہاتھ اور پاؤں، ذہن اور دماغ غرض کہ ہر اعضا کے جسم کا بھی روزہ ہوتا ہے۔ یعنی زبان سے کسی کی غیبت نہ کرے۔ دل سے کسی کے متعلق برا نہ سوچے اور کوئی غلط خیال دل میں نہ لائے۔ آنکھوں کا تقدس برقرار رکھے اور کسی غلط کام کے لئے نگاہ نہ اٹھے۔ ہاتھوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ بلکہ کسی غلط اور برے کام کے لئے چل کر نہ بھی جائے۔ کانوں سے کسی کی برائی یا غیبت نہ سنے۔ ان تمام باتوں پر عمل کر کے ہی روزے کے تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں۔

---

نماز کے فضائل و مناقب اور اسرار و رموز پر ایک جامع اور تحقیقی پیش کش

# آئینۂ صلوٰۃ

## از قلم : قاری محمد عطا اللہ

اگرچہ فضائل و مسائل نماز پر بہت سی کتب لکھی گئی ہیں - لیکن یہ کتاب آئینۂ صلوٰۃ اپنی نوعیت کی ایک انوکھی اور بے مثال پیشکش ہے۔

چار رنگا حسین دلکش ٹائٹل

صفحات ۱۱۲ - قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے علاوہ محصولڈاک
اپنے قریبی بکسٹال سے خریدیں یا ہم سے طلب فرمائیں

مصنف کی تمام تصنیفات دستیاب ہونے کے پتے ،
مکتبہ رضویہ - گاڑی کھاتہ آرام باغ - کراچی
المعارف ، گنج بخش روڈ ، لاہور
مکتبۂ نبویہ ، گنج بخش روڈ - لاہور

**ناشر : مکتبہ آئینۂ اسلام**

چوک وزیر خان - کوچہ بوٹے شاہ - لاہور

DUGO
POLJE